شعر وادب

مسلمان کا آپ حامی خدا ہے!

امۃ اللہ تسنیم رحمۃ اللہ علیہا

زمانے کی حالت کہوں میں کہ کیا ہے
ہرا یک خود پرستی میں یاں مبتلا ہے

نہ عقبیٰ کا ڈر اور نہ پروائے دنیا
بس آرام اپنا ہر ایک چاہتا ہے

جو دینی اخوت تھی، کمیاب ہے وہ
یہاں اب تو بھائی سے بھائی جدا ہے

دلوں میں ہے بغض و حسد کارفرما
ہر ایک دوسرے کا بُرا چاہتا ہے

نہ عزت، نہ دولت، نہ حکمت ہے باقی
دماغوں میں لیکن تکبر بھرا ہے

بڑوں کی ہے عزت نہ چھوٹوں سے الفت
کہوں کیا زمانے کی بگڑی ہوا ہے

ہمیں ہے فقط عیب جوئی سے مطلب
جو کچھ رہ گیا ہے ، یہی رہ گیا ہے

گزرتی ہیں غفلت میں راتیں جہاں کی
صدائے جرس ہے نہ بانگ درا ہے

ہوا اس زمانے کی اچھی نہیں ہے
ہوا و ہوس میں ہر ایک گم ہوا ہے

جسے ناز تھا اپنے ہوش و خرد پر
وہ سر آج قسمت کے آگے جھکا ہے

خبر تو نہ لے گا تو مٹ جائیں گے ہم
ہے کشتی بھنور میں ، مخالف ہوا ہے

نگاہِ کرم بیکسوں پر ہے لازم
الٰہی تری ذات کا آسرا ہے

پریشاں تسنیمؔ کیوں اس قدر ہے
مسلمان کا آپ حامی خدا ہے

☆☆☆☆☆

اداریہ

انا اور جاہ پسندی سے مکمل اجتناب کی ضرورت

● ....شمس الحق ندوی

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انسانی مزاج وطبیعت مختلف بنائے ہیں، بخل، حسد، غصہ، حرص، جھوٹ، فریب، یہ وہ ناپسندیدہ چیزیں ہیں، جن سے طرح طرح کی دوسری برائیاں پیدا ہوتی ہیں، اس کے بالمقابل جود وسخا، رحم وکرم، حسن اخلاق، اطاعت وانقیاد، ادب واحترام، شرم وحیا، ایثار وقربانی، یہ وہ اچھی صفات ہیں جن سے دوسری تمام نیکیاں اور اچھائیاں وجود میں آتی ہیں۔

انہیں دو متضاد صفات کے حامل انسانی سماج اور سوسائٹی میں مصلحین وقائدین ملت، جماعتوں اور اداروں کے سربراہان وذمہ داران کو کام کرنا ہوتا ہے، ان باتوں کو تحریر وتقریر میں پیش کر دینا تو بہت آسان ہے، لیکن عملی طور پر ان صفات کے حامل انسانوں میں کام کرنے کا دل وجگر پیدا کرنے کے لیے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ کامل کے سوا کہیں اور سے رہنمائی اور قوت وتوانائی نہیں مل سکتی، لہٰذا دعوت وارشاد، قیادت وسیادت، اداروں کی سربراہی، تحریکوں کی پیشوائی اور کسی متحدہ پلیٹ فارم کی قیادت کا نازک فریضہ انجام دینے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وحکمت، نازک سے نازک موقع پر اپنے نفس وغصہ پر ضبط سے کام لینا پڑے گا اور شاعر کی اس نصیحت پر پوری ہمت وحوصلہ کے ساتھ عمل کرنا پڑے گا:

وان ابتلیت بشخص لاخلاق لہ

فکن کأنك لم تسمع ولم یقل

(جب تم کو کسی بدتمیز وبداخلاق شخص سے واسطہ پڑے تو تم ایسے بن جاؤ جیسے نہ اس نے کچھ کہا، نہ تم نے کچھ سنا)۔

ہم اس موقع پر اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حلم وضبط کے صرف دو واقعے ذکر کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں:

زید بن سعنہؓ ایک بڑے یہودی عالم تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کو میں نے حضورؐ میں نہ دیکھ لیا ہو بجز دو علامتوں کے جن کی اب تک نوبت نہیں آئی، ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ پر غالب ہوگا، دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا، میں ان علامتوں کے دیکھنے کا منتظر رہا، اور خدمت اقدس میں آمد ورفت بڑھاتا رہا، ایک دن آپ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے، حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے کہ بدوی جیسا ایک شخص آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو تم کو بھرپور رزق ملے گا اور اب یہ حالت ہے کہ قحط پڑ گیا ہے، مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نکل نہ جائیں، اگر رائے مبارک ہو تو ان کی کچھ اعانت فرما دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی طرف دیکھا جو غالباً حضرت علیؓ تھے انھوں نے عرض کیا: حضور موجود تو کچھ نہیں رہا، زید جو اس وقت تک یہودی تھے، اس منظر کو دیکھ رہے تھے، کہنے لگے کہ محمدؐ! اگر آپ ایسا کر سکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقت معین پر دے دیں تو میں قیمت پیشگی دے دوں، اور وقت معین پر کھجور لے لوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو نہیں، البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں، میں نے اس کو قبول کر لیا اور کھجوروں کی قیمت اسی (۸۰) مثقال سونا دے دیا، آپؐ نے وہ سونا بدوی کو دے دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا، زید کہتے ہیں کہ ابھی کھجوروں کی ادائیگی کے دو تین دن باقی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہؓ کے ساتھ جن میں ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے، کسی جنازہ کے نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے، میں آیا اور آپؐ کے کرتے اور چادر کے پلو کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا کہ محمدؐ! آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے، خدا کی قسم! میں تم سب اولاد عبد المطلب کو خوب جانتا ہوں کہ بڑے نادہندہ ہو، حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا، اور کہا

کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے؟ خدا کی قسم اگر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اڑا دیتا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم آمیز لہجہ میں حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے، وہ یہ کہ مجھے حق ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے جاؤ، اس کا حق ادا کر دو، اور جو تم نے اس کو ڈانٹا ہے اس کے بدلہ میں بیس (۲۰) صاع کھجوریں زیادہ دے دینا، حضرت عمرؓ مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع کھجوریں زیادہ دیدیں، میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے، زید نے کہا کہ عمر! تم مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں، میں نے کہا کہ میں زید بن سعنہ ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہی جو یہود کا بہت بڑا عالم ہے، میں نے کہا ہاں میں وہی ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ کیسا برتاؤ کیا؟ میں نے کہا: علامات نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئی تھیں جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی، ایک یہ کہ آپ کا حلم آپؐ کے غصہ پر غالب ہوگا، دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا، اب ان دونوں کا بھی امتحان کر لیا، لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا آدھا مال امت محمدیہ پر صدقہ ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے، اور اسلام لائے، اور بہت سے غزوات میں شریک ہوئے، یہاں تک کہ غزوۂ تبوک میں شہید ہو کر اپنے رب سے جا ملے۔ [جمع الفوائد وجمع الوسائل]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم کے واقعات بے شمار ہیں صرف ایک اور واقعہ نقل کر کے اپنے سلسلہ کلام کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں:

فتوحات کا دور شروع ہو چکا ہے، بیت المال قائم ہے، ایک بدوی ایک موقع پر آیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے اونٹوں پر غلہ لدوا دو، تم اپنے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تو اس چادر کے کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا، میں غلہ نہیں دوں گا، اس نے کہا: خدا کی قسم! میں بدلہ نہیں دیتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلہ لدوا دیا۔

یہی وہ نسبت محمدی اور وراثت نبوی ہے جو علماء ربانیین اور مشائخ، و اولیاء اللہ میں منتقل ہوتی ہے، جس کی طاقت سے یہ حضرات دل پر پتھر رکھ کر اپنا فریضہ انجام دیتے ہیں، کسی کی طعن وتشنیع حتی کہ بہتان تراشی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، وہ برائی کا بدلہ بھی اچھائی ہی سے دیتے ہیں، اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہیں، وہ زبان حال وقال سے اپنے رفقاء اور معتقدین سے کہتے ہیں:

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی أحسن الی من أساء

(برائی کا بدلہ برائی سے دینا تو بہت آسان ہے، مردانگی کی بات تو یہ ہے کہ برائی اور بدسلوکی کرنے والوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو)۔

ملت اسلامیہ کے یہی وہ پیشوا ہیں جن سے اللہ تعالیٰ رہنمائی وقیادت کا کام لیتا ہے، اور دین وملت کی کھیتی ہری اور شاداب ہوتی رہتی ہے، جس سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے، لہٰذا تمام کارکنان ورہبران ملت کو اسی روشنی میں ہمت وحوصلہ سے کام لینا چاہیے، ورنہ ادارے، جماعتیں اور تحریکیں پانی کے بلبلے کے طرح اٹھتی ہیں اور پھٹتی رہتی ہیں، کوئی مؤثر ودیرپا کام انجام نہیں پاتا، کوئی بھی ادارہ خواہ کتنا ہی عظیم ہو، جب ایسے رہبر اور حلم وضبط کے پیکر سربراہ سے محروم ہو جاتا ہے، تو اس میں مضحکہ خیز ورسوا کن انتشار پیدا ہو جاتا ہے جس کی مثالیں برابر سامنے آتی رہتی ہیں، یہی وہ حکمت وراز ہے جس کی بنا پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم کو اللہ کے پاس وادب، سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں، چاہے تمہارا امیر ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو''۔ [ابوداؤد وترمذی]

اس وقت امت مسلمہ جس نازک دور سے گزر رہی ہے، اگر ہم اپنی انا اور جاہ پسندی کی پیاس کو بجھا کر اپنے پیشواؤں کی رہنمائی میں کام کریں گے، اتحاد وملت کو ہر چیز پر ترجیح دیں گے، تب ہی ملت کی کشتی موجودہ سازشوں اور مکر وفریب کے طوفان سے نکل کر ساحل مراد سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

چراغ راہ

غیر اسلامی تہذیب واقتدار میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں

● ....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ایک ایسے ملک میں جس میں اسلام ایک محکومانہ مذہب کی حیثیت رکھتا ہو، اور مغربی اقدار اور غیر اسلامی طرز معاشرت کی بالادستی ہو، اور جس میں ذاتی منافع اور سیاسی و جماعتی فائدوں ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہو، اور لذت کو ایک فلسفہ کی شکل دے دی گئی ہو، جس میں تمام تر اعمال و اخلاق اور کاوشوں کا محور اسی کو سمجھا جانے لگا ہو، ایسے ملک میں مسلمانوں کی (جب کہ وہ وہاں اقلیت میں ہوں) بہت ہی نازک ذمہ داری ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ان میں غیر متزلزل ایمان ہو، جرأت مندانہ کردار ہو، پوری حکمت عملی سے کام لیں، پھر ان میں اس پیغام و دعوت پر پورا اعتماد ہو، جس سے اللہ نے ان کو مشرف فرمایا ہے، یہ بھی ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کا ایک بلند معیار ہو، اور وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں، اگر وہ اس بلند معیار پر نہ ہوئے تو وہ اپنی ذات کو اور اپنی قوم کو حقارت کی نگاہ سے اور مغربی تہذیب کے مقلدوں اور اس کے خوشہ چینوں کی حیثیت سے دیکھیں گے، اس صورت میں وہ کوئی مؤثر اور اہم کردار ادا نہیں کر سکتے، جو لوگوں کی توجہ مرکوز کر سکے، اور کچھ تبدیلی عمل میں لا سکے۔

میں آپ نے سامنے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے آپ کے سامنے بات بالکل واضح ہو جائے گی، اور ایک ایسے غیور مسلمان کا کردار بھی آپ کے سامنے آئے گا جس کو اپنی دعوت اور پیغام پر پورا اعتماد تھا، اور یہ ظاہری شان وشوکت اور دل فریب مناظر اس کی نظر میں ٹھیکروں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے اور ظاہری عیش وعشرت پر جینے مرنے والوں اور جاہلی زندگی گزارنے والوں پر اس کو ترس آتا تھا، یہ تاریخ اسلام کے قرن اول کا واقعہ ہے، اس کو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، اس میں عبرت ونصیحت بھی ہے اور یہ ہمارے لیے سبق آموز بھی ہے۔

ایرانی افواج کا سب سے بڑا قائد جس کو ''رستم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کو اپنے دبدبہ اور شان وشوکت میں شہنشاہِ ایران کے قریب ہی سمجھا جاتا تھا، اس نے لشکر اسلام کے قائد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ کسی ایسے آدمی کو بھیج دیا جائے جو اس مقصد کی وضاحت کرے جو عرب کے صحراء نشینوں اور بدوؤں کو ان متمدن ملکوں تک لے آیا، جو تہذیب وتمدن اور عسکری قوت میں نقطۂ عروج پر ہیں، اور ملک عرب کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

اب غور کیجیے کہ وہ آدمی جو تخت سیادت و قیادت پر بیٹھا ہوا ہے اور ایک بڑے رقبہ پر اس کی حکومت ہے، اس کا عربوں کے بارے میں کیا تاثر ہوگا، جو خیموں اور کچے مکانات میں بودوباش رکھتے تھے، اور جن کا گزارہ کھجور اور اونٹ کے گوشت پر تھا، وہ کس لاپرواہی اور حقارت کی نگاہ سے عربوں کی طرف دیکھتا ہوگا، اس نے کہلوایا کہ کوئی ایسا آدمی بھیج دیا جائے جو اس مقصد ومحرکات کی ترجمانی کر دے جو ان کو یہاں لائے ہیں۔

یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ اس نے تمام عربوں کو فکر وعقیدہ وایمان باللہ اور مقصد اسلام پر ناز وفخر کے ایک بلند وبالا معیار پر پہنچا دیا تھا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، یہ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ جن سے اکثر علمائے تاریخ و سیر ناواقف ہیں، ان کو لشکر اسلامی میں کوئی شانِ امتیازی بھی حاصل نہ تھی، میں آپ کے سامنے یہ قصہ کوئی افسانہ کے طور پر نہیں بیان کر رہا ہوں کہ جس میں صرف وقتی مزہ ہے یا قومی فخر وعزت کا سامان ہے، میں اس لیے آپ کے سامنے اس قصہ کا ذکر کر رہا ہوں تا کہ آپ اس طاقتور ایمان و اعتماد کا جس نے ایرانی لشکروں کے قائد عام رستم کے سامنے اس جرأت مندانہ اور آزادانہ گفتگو پر آمادہ کیا، کچھ اندازہ کر سکیں، اور مومن کے کردار، جرأت وعزم اور ایمانی قوت کا، مغربی تہذیب و ترقی اقتدار وغلبہ کے بارے میں اپنے موقف اور کردار سے موازنہ کر سکیں، یہاں ہمارا اپنے آپ کے ساتھ، اپنے پیغام کے ساتھ اور اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ کیا معاملہ ہے اور مغربی تہذیب جو یہاں رائج ہے اور جس کو اس وقت معاصر دنیا میں سیادت وقیادت کا مقام حاصل ہے، اس کی طرف ہم کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ رستم کے دربار میں تشریف لائے، ان کے لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے، معمولی سی تلوار اور ڈھال ان کے ساتھ تھی، ایک معمولی اور پست قد و قامت

گھوڑے پر سوار تھے، اسی حال میں قالینوں کو روندتے ہوئے تشریف لائے، پھر گھوڑے سے اترے، وہیں کسی تکیہ سے اس کو باندھ دیا اور رستم کی طرف بڑھنے لگے، ہتھیار ان کے ساتھ تھے، زرہ میں ملبوس تھے اور سر پر خود تھا، خدم وحشم اس پر معترض ہوئے اور کہنے لگے ہتھیار اتار دو، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں خود تمہارے پاس نہیں آیا، تمہاری دعوت پر آیا ہوں، اگر اسی حال میں جانے دیتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ میں واپس جاتا ہوں، رستم نے کہا: آنے دو، حضرت ربعی رضی اللہ عنہ اپنے نیزہ کو ان ریشمی قالینوں پر ٹیکتے ہوئے آگے بڑھے حتی کہ ان میں اکثر قالین پھٹ گئے۔

حضرت ربعی رضی اللہ عنہ رستم کے پاس پہنچے، رستم نے پوچھا کہ عرب کس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟ انھوں نے پورے ایمان ویقین کے ساتھ جو ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکا تھا، اور بھرپور اعتماد کے ساتھ جس نے ان کے اعصاب کو مضبوط بنا دیا تھا، اس لیے کہ ان کی پشت پر جو چیز کارفرما تھی، وہ آسمانی کتاب تھی، نبوت صادقہ تھی، غیر متزلزل اور پختہ عقیدہ تھا، بلند ہمت تھی، تیر بہدف نگاہ تھی، انھوں نے فرمایا:

’’ہم کو اللہ نے اس لیے بھیجا ہے تا کہ ہم ان لوگوں کو جن کو اللہ چاہے، بندوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی غلامی میں لے آئیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لائیں اور مذاہب کے جور وستم سے نکال کر اسلام کا عدل وانصاف عطا کریں‘‘۔

اسلام کے پیغام ودعوت اور اس کے بنیادی مقصد کے بارے میں حضرت ربعی رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا، اس پر کامل یقین کے ساتھ اور جو انھوں نے لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف لانے اور دوسرے مذاہب کے جور وستم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کی راہ دکھانے کا ذکر فرمایا، اس پر کوئی حیرت واستعجاب نہیں ہوتا کہ یہ ان کے عقیدہ اور یقین کی بات تھی، لیکن مجھے ان کے اس جملہ پر بڑی حیرت واستعجاب ہے، جس میں انھوں نے فرمایا کہ ہمیں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ’’دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت کی طرف لائیں‘‘ اگر وہ دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں لانے کا ذکر فرماتے تو مجھے ادنیٰ تعجب نہ ہوتا، اس لیے کہ یہ تو ایسی حقیقت ہے جس پر ہر مسلمان اور صاحب ایمان یقین رکھتا ہے، اور حضرت ربعی رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو قرن اول کا ہے، میں ان کے اس جملہ پر غرق حیرت ہو جاتا ہوں کہ ہم تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعتوں میں لانا چاہتے ہیں، گویا کہ وہ فرما رہے ہیں: ہم نے اپنے اوپر ترس کھا کر اور ان ملکوں کے عیش وعشرت کی طمع میں اپنے وطن کو ترک نہیں کیا، ہم تو یہاں تم پر ترس کھا کر آئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ تم کو تنگ وتاریک قید خانہ سے آزاد کریں جس میں تم اس پرندہ کی طرح زندگی گزار رہے ہو جس کو کسی ظرف یا قفس میں بند کر دیا جاتا ہے، اور دانہ اور پانی اسی کے اندر دے دیا جاتا ہے، اس لیے کہ تم اپنی عادتوں اور ضرورتوں کے غلام ہو، خواہشات نفس کے غلام ہو، مروّجہ فیشنوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے، تمہارے لیے تنہا ایک لمحہ گزارنا مشکل ہے، تم اپنی مرضی کے مطابق کوئی کام نہیں کر سکتے، تم کو قدم قدم پر خادموں اور معاونوں کی ضرورت ہے، پہرہ داروں اور چوکیداروں کی ضرورت ہے، کوئی کام بھی تم بغیر کسی مددگار کے انجام نہیں دے سکتے۔

تاریخی شواہد موجود ہیں کہ جب شاہ ایران یزدگرد اپنی مملکت سے فرار ہوا تو درمیان سفر اس کو پیاس لگی، ایک گھر میں داخل ہوا، اس کو ایک معمولی روزمرہ کے استعمال کے گلاس میں پانی دیا گیا تو اس نے کہا کہ میں اس گلاس میں پانی نہیں پی سکتا، اس لیے کہ وہ تو سونے اور چاندی کے گلاس میں پانی پینے کا عادی تھا، ایرانیوں کا تو یہ حال تھا کہ اگر ان میں کوئی بڑا آدمی ایک لاکھ درہم سے کم کا تاج پہنتا یا اس کے پاس عالیشان محل اور اس کے لوازمات حوض وفوارہ اور باغات نہ ہوتے تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا۔

گویا کہ حضرت ربعی رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ تم تو اپنے خادموں کے خادم اور غلاموں کے غلام ہو، اس لیے کہ ان سے زیادہ تم ان کے محتاج ہو، ہماری آرزو ہے کہ تمہیں اس تنگ وتاریک قید خانہ سے نکال کر وسعت وآزادی کی فضا میں لائیں، ہم یہاں اپنی ضرورت سے نہیں آئے، ہم نے تو یہ دور دراز کا سفر، تمہاری ضرورت کے پیش نظر کیا ہے، ہمارے لیے اپنے وطن میں کوئی تنگی نہیں، وہ صحراء تو بڑا کشادہ اور وسیع ہے، ہم کو تمہاری اس غیر فطری اور غیر طبعی معیشت پر بے چینی ہے، جس میں تم مست ہو، یہی بے چینی ہمیں لائی ہے، ہم لوگ خواہشات پر چلنے والے نہیں ہیں، ہم خاص پوشاک اور راتب کے غلام نہیں ہیں اور نہ خادموں اور غاشیہ برداروں کے محتاج ہیں، ہم صحراء میں آزادی کی زندگی گزارنے والے ہیں، جو میسر آتا ہے، کھاتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، ہم کو تو اللہ نے اس لیے بھیجا ہے کہ جس کو وہ چاہے اس کو ہم لوگوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی غلامی

میں لے آئیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت عطا کریں، اور مذاہب کے جوروستم سے آزاد کرا کے اسلام کے عدل وانصاف سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں، تم مذاہب کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہو، جس کے نتیجہ میں مصیبتوں میں گرفتار ہو، ذلت وخواری تمہارا مقدر بنی ہوئی ہے، اور حقیقی سکون وراحت تم کو نصیب نہیں ہے۔

میں طوالت دینا نہیں چاہتا، آپ کی بھی ذمہ داریاں اور مشغولیتیں ہیں، میں مختصراً کہتا ہوں، آپ آزادانہ مؤثر اور بنیادی کردار ادا کریں، آپ کی زندگی مثالی زندگی ہو، جو لوگوں کی نگاہیں پھیر دے اور توجہ مرکوز کردے، ذہنوں میں ایسے سوالات پیدا ہوں جو موازنہ کرنے پر مجبور کریں، اور اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہو، اگر آپ نے بھی مغربی طرز معاشرت اختیار کرلیا، آپ ان ہی کے مقلد بن گئے، اور اپنے بلند معیار سے اپنے کو نیچے گرالیا تو آپ میں اور یہاں کے مغربی باشندوں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہ سکتا اور نہ ان میں معلومات کا شوق اور غور وفکر کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے، اور نہ آپ کا احترام ان کے دل میں آسکتا ہے، چہ جائیکہ وہ آپ کو قابل تقلید ونمونہ سمجھیں۔

لیکن جب آپ ان کے سامنے ایک نامانوس طریقۂ زندگی پیش کریں گے تو اس سے ان کے اندر ایک جستجو پیدا ہوگی، اور وہ آپ سے پوچھنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ طریقۂ زندگی آپ نے کہاں سے اخذ کیا اور یہ بلند وبالا اقدار اور اخلاق فاضلہ آپ نے کس سے سیکھے، ان میں اشتیاق پیدا ہوگا کہ ان کو آپ ایسا لٹریچر دیں جس سے وہ اسلام سے متعلق مستند معلومات حاصل کریں اور آپ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے روشناس کرائیں اور ان کو وہ راستہ دکھائیں جس پر چل کر آپ کے اندر یہ قدریں پیدا ہوئیں، اور یہ بلند کردار آپ کو حاصل ہوا، اس وقت وہ آپ کو احترام وعقیدت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

مسلمان بھائیوں کو ایسا نمونۂ زندگی پیش کرنا چاہیے جو غیروں میں اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا کردے اور اس راستہ کو جاننے کا اشتیاق پیدا کردے جس پر چل کر یہ طرز زندگی اور طریقۂ فکر ہم کو عطا ہوا، یہی تنہا وہ انقلاب انگیز راستہ ہے جس پر چل کر غیر اسلامی ملکوں میں مؤثر کردار ادا کرسکتے ہیں، اگر ان ہی کے رنگ میں رنگ گئے اور وہی طریقۂ زندگی اختیار کرلیا (خواہ یہ احساس کمتری اور نقالی کا جذبہ عالم عربی میں ہو یا ہندوستان یا افریقہ کے کسی حصہ میں یا دنیا کے کسی بھی ملک میں) تو ہرگز ان پر اثرانداز نہیں ہوسکتے، اور کوئی تبدیلی عمل میں نہیں لاسکتے، خواہ سو سال یا اس سے زیادہ مدت تک وہاں قیام اور زندگی گزارنے کا موقع ملے۔

☆☆☆☆☆

یہ ملک ہمارا ہے اور ہم اسی کے لیے ہیں!

مولانا ابوالکلام آزادؒ

تبدیلیوں کے ساتھ چلو یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لیے تیار نہ تھے، بلکہ اب تیار ہو جاؤ، ستارے ٹوٹ گئے، لیکن سورج تو چمک رہا ہے، اس سے کرنیں مانگ لو اور اندھیری راہوں میں بچھا دو جہاں اُجالے کی سخت ضرورت ہے۔

میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ تم حاکمانہ اقتدار کے مدرسہ سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ حاصل کرو، اور کاسہ لیسی کی وہی زندگی اختیار کرو جو غیر ملکی حاکموں کے عہد میں تمہارا شعار رہا ہے، میں کہتا ہوں جو اجلے نقش ونگار تمہیں اس ہندوستان میں ماضی کی یادگار کے طور پر نظر آرہے ہیں، وہ تمہارا ہی قافلہ لایا تھا، انہیں بھلاؤ نہیں، انہیں چھوڑو نہیں، ان کے وارث بن کر رہو اور سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لیے تیار نہیں تو پھر تمہیں کوئی طاقت نہیں بھگا سکتی، آؤ عہد کرو کہ یہ ملک ہمارا ہے، ہم اسی کے لیے ہیں اور اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے۔

آج زلزلوں سے ڈرتے ہو، کبھی تم خود ایک زلزلہ تھے، آج اندھیرے سے کانپتے ہو، کیا یاد نہیں رہا کہ تمہارا وجود ایک اُجالا تھا، یہ بادلوں کے پانی کی سیل کیا ہے کہ تم نے بھیگ جانے کے خدشے سے اپنے پائچے چڑھا لیے ہیں، وہ تمہارے ہی اسلاف تھے جو سمندروں میں اتر گئے، پہاڑوں کی چھاتیوں کو روند ڈالا، بجلیاں آئیں تو ان پر مسکرائے، بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا، صرصر اٹھی تو رخ پھیر دیا، آندھیاں آئیں تو ان سے کہا تمہارا راستہ یہ نہیں ہے، یہ ایمان کی جاں کنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے ہی گریبان کے تار بیچ رہے ہیں اور خدا سے اس درجہ غافل ہوگئے کہ جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

خلق حسن

اچھے اخلاق کی تلقین

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اخلاق، خلق کی جمع ہے، یہ انسانی کردار کا وہ طرز ہے جس میں انسان بغیر کسی خاص ارادہ کے بہ سہولت اپنا عمل ظاہر کرتا ہے، اور اس میں انسان کے جذبات وخواہشات کارفرما ہوتے ہیں، جو بعض وقت خراب صورت کے حامل ہوتے ہیں، ان کو اچھے انداز کا بنانا اور خراب اور ناپسندیدہ طرز سے بچانا انسان کو قابل تعریف بناتا ہے۔

قرآنی ہدایات اس سلسلہ میں اعلیٰ اور پسندیدہ طرز اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہیں، وہ انسان کی شخصی آزادی کو سلب نہیں کرتیں، بلکہ وہ انسانی معاشرہ میں انصاف اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور رعایت کی طرف توجہ دلاتی ہیں تاکہ افراد میں اچھے کردار کا احساس فروغ پائے۔

قرآن کی جامع اخلاق آیت یہ ہے کہ جس میں قرآن نے اخلاق کی بنیادی تعلیمات کا پرچار کیا ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِیْ الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" (خدا تم کو انصاف، اور اچھا طریقہ کار اور رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے، وہ بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ عمل اور دوسروں کے ساتھ زیادتی کرنے سے روکتا ہے، وہ تم کو نصیحت کرتا ہے، (اس کے پیش نظر توقع ہے کہ) تم نصیحت حاصل کرو)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے اخلاق کی بنیادی تعلیم عدل واحسان کو قرار دیا ہے اور بے حیائیوں اور بری باتوں سے منع کیا ہے، تاکہ انسانی اخلاق اچھے اور بلند کردار کے ساتھ رائج ہو اور بے توجہی کا شکار نہ ہو جائے۔[محاضرات القرآن، از: ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی، ص:۳۹۸]

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں جگہ جگہ اعلیٰ انسانی کردار واخلاق کی تلقین ملتی ہے، اور وہ سادہ انداز میں اور دل کو موہ لینے والے اسلوب میں بیان کی گئی ہے۔

سورۂ فاتحہ

قرآن مجید کا آغاز رب العالمین کی حمد اور تعریف سے ہے اور اس کے احکام کو تسلیم کرنے اور اس سے مدد چاہنے پر مشتمل سورہ سے کیا گیا ہے جسے سورہ "فاتحہ" کہتے ہیں، یہ سات آیتوں پر مشتمل ہے، اور ہر نماز کے ہر حصہ یعنی رکعت میں پڑھی جاتی ہے، اس طرح بندہ اور رب کے درمیان جو تعلق ہے اس کا شب وروز میں بارہا اظہار اور اقرار کیا جاتا ہے، اس کے ذریعہ یہ متنوع صفات رکھنے والی مخلوق انسان اپنے خالق ومالک اللہ رب العالمین کا جو تمام کائنات کا خالق ومالک اور پالنہار ہے، بندہ ہے، اسی سے مدد مانگتا ہے اور اسی کی عبادت کرتا ہے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ"[سورہ فاتحہ:۱-۷] (سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہیں، جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، انصاف کے دن کا حاکم، اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو سیدھے راستے چلا، ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو اپنا فضل وکرم کرتا رہا ہے، ان لوگوں کے راستہ پر نہیں جن سے تو ناراض ہوا اور نہ ان کے راستہ پر جو اچھے راستہ سے بھٹک کر غلط چلے گئے)۔

پہلی آیت "الحمد للّٰہ رب العالمین" کے پہلے جزء میں بندہ کا اپنے رب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر واعتراف ملتا ہے، کہ تعریف اور شکر اسی ذات اعلیٰ کا ہے جو اللہ کے نام سے موسوم ہے، اور وہ ساری مخلوقات کا پالنہار ہے اور سب کی زندگیوں کی کفالت کرنے والا ہے، سہارا دینے والا ہے، رب العالمین رب کائنات ہے۔

الرحمٰن الرحیم: اس کی اہم صفت رحم اور کرم ہے، ساری مخلوقات کی راحت اور بھلائی کا انتظام کرتا ہے، اور مہربانی کا معاملہ کرتا ہے، کہ اس کی رحمت اور مہربانی کی کوئی انتہا نہیں۔

مالک یوم الدین: اسی کے ساتھ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کی رحمتوں اور نعمتوں کو کتنا مانتا ہے، اور اس کے کہنے پر کتنا چلتا ہے، اور اس کے محاسبہ کے لیے اس نے ایک دن مقرر کیا ہے، جس میں دنیا کی موجودہ زندگی کو ختم کردینے کے بعد نئی زندگی عطا فرمائے گا اور اس زندگی کے آغاز میں سب کو اس کے سامنے پیش ہونا ہوگا اور اس ذات اعلیٰ وبرتر خالق ومالک کل و احکم الحاکمین کے پاس سب کی حاضری ہوگی اور وہ ایسا دن ہوگا جس میں سب اپنی دنیاوی زندگی میں

کیے ہوئے اعمال کا حساب رب العالمین مالک یوم الدین کے سامنے دیں گے جو اس دن کا تنہا مالک وحاکم ہوگا جس کو فرمایا: "لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" [سورہ غافر:۱۶] (آج حکومت کس کی ہے، تنہا اللہ کی ہے جو زبردست ہے)۔

لہٰذا بندہ کو ابھی سے اس بات کی فکر رہنی چاہیے کہ وہ اس دن کے لیے تیاری کرے، اور انسانوں کو پیدا کرنے کی جو غرض مطلوب ہے اس کو وہ پورا کرے یعنی اپنے رب کی تابعداری اور شکرگزاری کرے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ: یعنی یہ درخواست کرے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

وإياك نستعين: اور چونکہ صحیح تابعداری اختیار کرنا اور بری باتوں سے اپنے کو بچانا مشکل کام ہے، جس میں بندہ اپنے رب کی مدد کا طالب ہے، اور وہ مدد اس کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا مالک ہے، لہٰذا ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، اور پوری رہنمائی فرمائے اور توفیق دے سیدھے راستہ کی "اهدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" جیسا کہ ان بندوں کے ساتھ اس نے کیا ہے جن پر اس کا خصوصی کرم ہے "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ" اور ان لوگوں کے طور طریق سے بچا جن سے تو ناراض ہے یا وہ نافرمانی میں مبتلا ہیں "غَيْرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ"۔

اس طریقہ سے یہ سات آیتیں اس مقصد و عمل کا خلاصہ پیش کردیتی ہیں، جو بندہ اور رب کے درمیان میں مطلوب ہے، ان سات آیتوں کی سورت قرآن مجید کے شروع میں آئی ہے اور اسی لیے اس کو سورہ فاتحہ کا نام دیا گیا ہے، اور اس کی جامعیت کے لحاظ سے اس کو وظیفہ بنادیا ہے جس کے ذریعہ بندہ بار بار اپنے رب سے عبدیت کا اظہار کرتا ہے اور مدد مانگتا ہے۔

قرآن مجید سورہ فاتحہ کے بعد جن سورتوں پر مشتمل ہے وہ ۱۱۳ سورہ ہیں، جو انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے بکثرت معاملات کے سلسلے میں توجہ دہانی اور رہنمائی پر مشتمل ہیں۔

پہلی سورہ اقرأ میں علم کی تلقین

قرآن مجید کی سورتوں میں سب سے پہلے نازل کی گئی آیتیں سورہ علق کی ابتدائی آیات ہیں، وہ اقرأ سے شروع ہوئیں۔

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ، كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَى، أَن رَّآهُ اسْتَغْنَى، إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى" [سورہ علق:۱-۸]۔

ان میں اللہ کے نام کے ساتھ پڑھنے یعنی علم کو اختیار کرنے، اس سے فائدہ اٹھانے کی تاکید کی گئی ہے، اور اس طرح انسان کی جو سب سے بڑی امتیازی حیثیت ہے جس میں ساری مخلوقات ارضی پر اس کو امتیاز دیا گیا ہے، یعنی علم کی صلاحیت سے فائدہ اٹھاکر زندگی اور اردگرد کے حالات سے واقفیت حاصل کرکے ان کو ترقی دینے اور اپنے حالات و اعمال کو سنوارنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور اس توجہ دہانی کو اگر ہم انسانی تاریخ کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا میں جو انسانی ترقیات اور تحقیقات وانکشافات سامنے آتے رہے اور آتے رہیں گے، وہ سب اس خداوندی عطیہ یعنی انسان کو دوسری مخلوقات پر فوقیت علم حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی خصوصیت ہے جو اس خالق ومالک رب العالمین نے انسان کو دوسری مخلوقات ارضی پر ترجیح دے کر عطا کیا ہے، علم کے عطیہ کے تذکرہ کے ساتھ یہ بھی ظاہر کردیا کہ انسان اپنی خودپسندی اور احساس برتری کے دھوکہ میں آکر غرور میں مبتلا ہوسکتا ہے جس کے نتیجہ میں انسانی سوسائٹی میں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر بڑی خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔

اس لیے پہلی نازل ہونے والی سورہ یعنی سورہ اقرأ میں علم کا حوالہ دے کر اس کو خدا کے نام سے جوڑا گیا کہ علم میں تم کتنی ہی ترقی کرو اور علم میں تم کتنا ہی فائدہ اٹھاؤ لیکن یہ نہ بھولو کہ علم کی یہ امتیازی خصوصیت دراصل تمہارے مالک اللہ رب العزت کا عطیہ ہے، لہٰذا علم کو اس کے نام کے ساتھ وابستہ رکھیں، لہٰذا اس کے نام سے یہ وابستگی اس کے شکر واطاعت سے الگ نہ ہو اور جب علم اس کے خالق یعنی اللہ رب العزت سے وابستہ ہوکر چلے گا تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں کی صلاح وفلاح کا ذریعہ ہوگا اور ان خرابیوں سے محفوظ رہے گا جو انسان کے احساس برتری اور غرور اور خودپسندی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ قرآن مجید کی وساطت سے رب العالمین کا پہلا سبق تھا جو انسان کو دیا گیا ہے اور انسانی تاریخ کے آئندہ آنے والے عہد کے شروع ہونے سے متصلاً قبل نازل ہونے والی کتاب میں دیا گیا جو عہد انسانوں میں علم کی کثرت اور علم کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں رواج دیا جانے والا اور سارے انسانوں کے مابین عالمی قربت وتعلق کا عہد بننے والا تھا، اور یہ قرآن مجید کی سورتوں میں سے اس سورت میں دیا گیا جو نازل ہونے کے اعتبار سے پہلی سورت ہے، پھر

تمام سورتوں کے نازل ہوجانے کے بعد سورتوں کی ترتیب انسان کی زندگی کے سارے تقاضوں کو سامنے رکھ کر نئی ترتیب قائم کی گئی، اس میں سورہ فاتحہ کی آیات کو سب سے مقدم رکھا گیا جو اپنے مضمون کے لحاظ سے گویا پورے کلام الٰہی کا مقدمہ اور بہترین تمہید ہے۔

یہ ترتیب تلاوت اور استفادہ کے لحاظ سے رکھی گئی اس ترتیب میں یہ سورہ یعنی سورہ فاتحہ شروع میں رکھی گئی جو کہ ہر موقع پر اولیت کا مقام رکھتی ہے، اس میں رب العالمین کو ماننے، اس کے احسان کو تسلیم کرتے ہوئے زندگی کی درستگی کے لیے اس سے مدد چاہنے اور گمراہی سے بچائے جانے کی دعا ہے، اس کے بعد جو سورہ دیگر تمام سورتوں سے مقدم رکھی گئی وہ ایک بڑی اور جامع سورت ہے، جو سب سے بڑی اور تفصیلی سورہ ہے جس کا نام سورہ بقرہ ہے۔

سورہ بقرہ اور دیگر سورتیں

پہلی سورت سورہ بقرہ کا آغاز کلام الٰہی کی اہمیت اور عظمت کے تذکرے سے شروع ہوا۔

"الم، ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ' [سورہ بقرہ: ۱-۵] (لف لام میم، یہ کتاب کہ کوئی شبہ اس میں نہیں، ہدایت ہے اللہ سے ڈر رکھنے والوں کے لیے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، اور نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور یقین تو بس آخرت ہی پر رکھتے ہیں، یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور پورے بامراد تو بس یہی ہیں)۔

ان ابتدائی آیات میں اس بات کا اظہار ہے کہ زندگی کو سدھارنے اور صحیح کرنے کے لیے رب العالمین کا قانون اور دستور مقرر ہے اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو دل سے مانا جائے اور جو باتیں آنکھوں سے نہیں دیکھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام کے ذریعہ اور اس کے رسول کے ذریعہ بتائی گئی ہیں ان کو اپنی صلاحیت طلب و تحقیق کے ذریعہ حاصل کیے جانے والے علم کی طرح ہی مانا جائے، اور پھر اپنے رب کی دی ہوئی زندگی اور زندگی کی سہولتوں کے ملنے پر اس کا شکر عبادت کی شکل میں ادا کیا جائے، اس میں بنیادی عمل یعنی نماز پڑھنا ہے جو عبادت کی نہایت جامع اور مؤثر شکل ہے اور اپنی انسانی برادری میں ضرورت مندوں، حاجت مندوں کی مدد کرنا جو کہ انسانوں کی تکلیف و دکھ درد میں شریک و ہمدرد بننے کا طریقہ ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی کتاب قرآن مجید اور اس سے پہلے نازل کی گئی کتابوں کو تسلیم کرنا جن میں دی ہوئی تعلیمات و ہدایات انسان کی اپنے پروردگار کے سامنے اپنی عبدیت و بندگی کے طریقوں سے واقف کراتی ہیں، اور اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ پیغام پہونچانے والوں جو انبیاء علیہم السلام کہلائے، ان کو بھی ماننا اور اس بات کو بھی تسلیم کرنا کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آئے گی جس میں اس دنیاوی زندگی میں کیے گئے اعمال کی جزا و سزا ملے گی، آخرت کی زندگی پر ایمان دراصل انسانی زندگی کی درستگی کے لیے بہتر کنٹرول کا ذریعہ ہے، یہ مضامین وہ مضامین ہیں جو انسان کے امتیازی اخلاق و کردار اور اس کے مرتبہ و مقام کی اعلیٰ سطح کی واضح نشاندہی کرتے ہیں۔

ان مذکورہ بالا آیات کے بعد کی آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے نبیوں و رسولوں اور ان کی قوموں کا تذکرہ کیا گیا اور ان باتوں کا تذکرہ کیا گیا جو ان قوموں نے اپنے خالق و مالک اور اس کے احکام کی خلاف ورزی میں اپنے پروردگار کی ناراضگی کے مستحق ہوئے اسی کے ساتھ ساتھ بہت سے ضروری احکام بیان کیے گئے۔

اس کے علاوہ اس طویل ترین سورت میں انسانی زندگی میں پیش آنے والی حق و باطل کی باتیں بیان کی گئیں جو انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں نصیحت اور رہنمائی اور توجہ دہانی پر مشتمل ہیں۔

اس طویل سورت سورہ بقرہ کے بعد دوسری سورتیں بھی اس سے ملتی جلتی مختلف ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہونے کے ساتھ نہایت مؤثر انداز کلام پر مشتمل نازل ہوئیں جن کی اثر انگیزی اور کلام کی خوبی، کلام الٰہی کی دلیل ثابت ہوتی ہے، کہ اس کو پڑھ کر اور سن کر انسان خود یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے، خداوندی کلام ہے، اس کی مختلف سورتوں میں خالق کائنات رب العالمین کی قدرت اور کرم و عنایت کی جگہ جگہ بڑے مؤثر انداز میں مثالیں دی گئی ہیں، سابقہ قوموں کے غلط اور برے کردار کے واقعات بتا کر ان کو نبیوں کے ذریعہ سمجھانے اور اچھے کردار اور ایمان کی طرف بلانے کے واقعات بھی بیان کیے گئے جو اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے بڑے مؤثر واقعات ہیں، اور بہت زیادہ نافرمانی پر جو عذاب دیا گیا اس کو بھی بیان کیا گیا ہے، اس طریقے سے قرآن مجید کا کلام و بیان انسانی ہدایت کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوا، لیکن یہ ان لوگوں کے لیے جو زندگی

میں احتیاط اختیار کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ غور کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں اور اپنی خود رائی اور خود پسندی میں مدہوش ہیں، ان کا حسن وخوبی اور بہتر زندگی سے بھٹک کر جانوروں کی طرح بن جانا تعجب کی بات نہیں۔

ان کو توجہ دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی خوش بیانی اور مؤثر انداز کے بجائے دوسرا کھلا ہوا اور مؤثر ذریعہ اختیار کرسکتا تھا جو ان کی فطرت کو ان کی پیدائش ہی کے وقت سے ایک حالت پر مقرر کر دیتا کہ وہ ویسا ہی کرنے پر مجبور ہوتے جیسا دوسری مخلوقات میں ہے، لیکن اس میں انسان کے عمل کی خوبی اس کی اختیاری نہ ہوتی، اضطراری ہوتی، جس سے انسان کی کوئی خوبی سامنے نہ آتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم چاہتے تو سب کو راہ راست پر لے آتے لیکن اس سے انسان کی اختیاری خوبی سامنے نہ آتی اور انسان کے جذبے وعمل کا امتحان نہ ہوتا اور پھر سزا وجزا کا مسئلہ نہیں رہتا، اس طریقے سے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب ہدایت ہے جو انسان کو امتیازی صلاحیت دے کر اس کی رہنمائی کرتی ہے اور توجہ دلاتی ہے کہ انسان پھر یہ نہ کہہ سکے کہ ہم کو بتایا نہیں گیا تھا۔

جو انسان زندگی میں احتیاط اختیار نہیں کرتے اور ان کو اپنے رب کی ناراضگی کی پرواہ نہیں، ان کے مقدر میں آخرت کی پکڑ اور عذاب ہے، وہاں جب ان کی خراب زندگی کا نتیجہ سامنے آئے گا اور ان کو توجہ ہوگی تو وقت نکل چکا ہوگا اور کوئی حل سامنے نہ آئے گا سوائے انجام بد کے اور سزا کے، اس کی طرف قرآن مجید میں جگہ جگہ اشارہ کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

(کامل اسلام)

نسبت نبویؐ کے تقاضے پر مکمل عمل ضرورت

● ....مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی امت کو امت محمدیہ ہونے کا جو فخر حاصل ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، وہ کم ہے اور اصل شکر گزاری یہ ہے کہ اس مبارک نسبت کے جو تقاضے ہیں ان کو ہم پورا کر رہے ہیں یا نہیں؟ اور اپنا یہ جائزہ ہم کو مسلسل لیتے رہنا چاہیے کیونکہ جتنی بڑی نسبت ہوتی ہے اتنی ہی بڑی ذمہ داری بھی ہوتی ہے۔

مسلمان کے لیے ہر معاملہ دین ہی ہوتا ہے چاہے عبادات کا معاملہ ہو یا معاش کا، پیدائش سے لے کر موت کا ہر لمحہ مسلمان اسلام کی حالت میں ہوتا ہے، کبھی بھی دین سے جدا نہیں ہوسکتا، پرورش اولاد ہو، شوہر و بیوی کے معاملات ہوں، ملازمت یا تجارت ہو، سیاست وحکومت، نکاح وطلاق اور وراثت کا معاملہ ہو، یا کوئی بھی معاملہ ہو، اسلام نے ہر شعبۂ حیات کے لیے ہدایات دی ہیں اور کہیں بھی جگہ خالی نہیں چھوڑی ہے کہ کوئی اپنی مرضی چلا سکے لیکن حالت کیا ہے؟ دین کو صرف نماز، روزہ، زکوۃ وحج تک محدود سمجھ لیا گیا ہے، تجارت، ملازمت، معاشرتی معاملات یعنی شادی وغیرہ، سیاست اور عام دنیاوی امور کو اسلام سے الگ سمجھ لیا گیا ہے اور ان میں شریعت واسلامی ہدایات سے روشنی حاصل کرنا فعل عبث سمجھا جاتا ہے اور اگر کوئی اللہ کا بندہ اس طرف توجہ دلاتا ہے تو ایسی باتیں منہ سے نکالی جاتی ہیں کہ ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

کاروبار میں سود سے پرہیز نہیں، ایمانداری و دیانتداری سے کوئی تعلق نہیں، جس طرح بن پڑے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنا مقصود زندگی بن گیا ہے، اپنے ذرا سے فائدہ کے لیے دوسروں کا بڑے سے بڑا نقصان کر دینا معمولی بات ہے اور اس کو ہوشیاری اور عقلمندی کی بات سمجھا جاتا ہے، جبکہ مرنے کے بعد پتہ چلے گا کہ اس ہوشیاری کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اسی طرح شادیوں کا مسئلہ ہے، یہی ایک مسئلہ ایسا ہے جس میں سب سے پہلے اسلام سے دوری اختیار کی جاتی ہے، نکاح تو ایک مجبوری ہے کہ اس کے بغیر کام نہیں چلتا، اس لیے اس کو چھوڑ نہیں سکتے، آج کل کی شادیاں اسلام مخالف جشن کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں، بے پردگی، عریانی، فیشن، مردوزن کا اختلاط ساری حدوں کو پار کر گیا ہے، ایک ایک شادی پر لاکھوں روپیوں کا خرچ ہوتا ہے، غریب پڑوسیوں کی کو اپنی تقریبات سے دور رکھنے کے لیے شہر کے دور افتادہ علاقوں میں واقع میرج ہال کرائے پر لیے جاتے ہیں، بڑے بڑے ہوٹلوں میں لاکھوں روپے خرچ کر کے شادی کی تقریبات منانے پر ایک دوسرے سے مقابلہ ہونے لگا ہے اور اس کو باعث عزت سمجھا جانے لگا ہے۔

اس عقل پر سوائے ماتم کرنے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے، یورپ کی نقالی میں اتنا آگے بڑھ گئے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اندھے ہوگئے ہیں کہ گندگی، پاکی وصفائی نظر آنے لگی، بدبو خوشبو دکھنے لگی، بدنامی، نیک نامی سمجھی جانے لگی، تباہی وبربادی، ترقی وخوشحالی نظر آنے لگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

قیادت وامامت

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

امتِ اسلامیہ آج جس نازک دور سے گذر رہی ہے وہ اس امت کی تاریخ میں بہت اہم اور تشویشناک مرحلہ ہے، مسلمان جہاں بھی پائے جاتے ہیں خواہ وہ عالمِ اسلام ہو یا غیر اسلامی ممالک، ہر جگہ وہ من حیث القوم کمزور، پس ماندہ، مظلوم اور زخم خوردہ ہیں، ان کی حالت اس شکست خوردہ کی سی ہے جو میدانِ جنگ سے پسپا ہو کر لوٹے اور ہمیشہ کے لیے اس پر ذلت و کمتری کا احساس مسلط ہو جائے، جس ملک کو آپ چاہیں دیکھ لیں اور جس علاقہ پر چاہیں نظر دوڑا لیں، سب سے زیادہ کمزور اور مغلوب صرف مسلمانوں کا طبقہ ملے گا، شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک جہاں چاہیے مسلمانوں کی مغلوبیت، ان کی مظلومیت، ان کے احساس کہتری کی داستانِ تازہ سن اور پڑھ لیجیے۔

اگر چہ بعض مسلم ممالک ایسے بھی ہیں جہاں مسلمان بظاہر خوشحال، غالب اور طاقتور ہیں، لیکن اندرونی طور پر وہ بھی ذہنی غلامی، احساس کمتری میں مبتلا ہیں وہ باطنی حیثیت سے بالکل شکست خوردہ اور مرعوب ہیں، ان پر دوسری ترقی یافتہ قوموں کے افکار و نظریات کا ایسا غلبہ ہے کہ وہ زبان حال سے اسلام کو ایک بوسیدہ مذہب، ایک رجعت پسندانہ نظریہ، اور ایک کرم خوردہ نظام تصور کرتے ہیں۔

یہ وہ صورت حال ہے جو مسلمانوں کے لیے نہ صرف تشویشناک بلکہ ملت کے شیرازہ کو بالکل منتشر اور امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کے لیے کافی ہے، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اگر چہ بہت سے غمگسارانِ ملت اور ہمدردانِ امت اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کام کر رہے ہیں اور تمام اسلامی اور دینی جماعتیں ان ناخوشگوار حالات کو محسوس کر رہی ہیں اور ان کو بدلنے کے لیے جدوجہد میں مصروف ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس امت کی تاریخ کا وہ نازک ترین مرحلہ ہے جس سے گذرنے کے لیے ہماری یہ تمام کوششیں اس وقت بارآور ہو سکتی ہیں جب ہم کمتری، مغلوبیت اور مظلومیت کا احساس ختم کر کے اپنے آپ کو اس منصب امامت و قیادت کا اہل بنالیں جو ہمارے اور صرف ہمارے لیے مخصوص ہے اور جب ہم صحیح معنوں میں جانشین خاتم الانبیاء بن کر خلافت ارضی کی ذمہ داری سنبھالیں جو صرف ہمارا حصہ ہے۔

لیکن آج اس ترقی یافتہ دنیا میں ہم نے اپنا مقام سب سے پیچھے رکھا ہے، ہم مادہ پرست قوموں کے غلام بن کر زندگی گذارنے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں، ہم اس خالص مادہ پرست تہذیب کی تقلید اور خوشہ چینی کو ترقی اور تمدن کی علامت سمجھنے لگے ہیں، ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ان قوموں کی اتباع و تقلید وقت کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور مصلحت کا تقاضہ ہے۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اپنے مذہب کی غیرت اور اس کا احترام اپنے دل میں رکھتے ہوئے موجودہ دور میں اسلامی نظام حیات کو ناکافی اور اس کی تمام تعلیمات کو ناقابل عمل تصور کرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لیے ہمیں بہت پیچھے لوٹنا چاہیے، اور اس معاشرہ کو بروئے کار لانا چاہیے جو اس نظام کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جو واقعی اور عملی زندگی میں اس سے مستفید ہونے کے جذبات سے معمور ہو، ان کے نزدیک موجودہ تہذیب اور عصر حاضر کی ثقافت وعلوم کا سیلاب بلاخیز اپنے گرداب سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا، وہ کہتے ہیں کہ اس گریز پا ترقی کے دور میں صرف اتنا کر لینا کافی ہے، کہ نظریاتی طور پر آپ مذہب کو مانیں اور اس کی قابل عمل تعلیمات پر عمل کر لیں، ان کے نزدیک ایسے زمانہ میں نماز و روزہ اور دیگر فرائض کا پورا کر لینا ہی بہت بڑا دینی کام ہے، بلکہ عصر حاضر کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

یہی وہ شکست خوردہ ذہنیت ہے جو مغرب کی تہذیب، اس کی ترقیوں اور اس کی مادی پیش قدمیوں سے مرعوب ہے، جو کسی حال میں اس کے بالمقابل آنے کی روادار نہیں، وہ مغرب کو ترقی کے اس نقطۂ عروج پر تصور کرتی ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں، اور جو صرف قیادت کی منزل ہو سکتی ہے جس کے سامنے ساری مذہبی، اخلاقی اور انسانی قدریں بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتی ہیں۔

دوسرا طبقہ جو تمام اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں میں جہاں بھی مسلمان موجود ہیں وہ ہے، جس نے حالات کے سامنے سپر ڈال دی ہے، اور اس کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں مادیت، الحاد، اور تمام شیطانی طاقتیں اس قدر طاقتور ہو چکی ہیں کہ ان کے سامنے مذہب ایک ضعیف اور مغلوب الحال نظریہ بن کر رہ گیا ہے، اور جس کے لیے مسجد کے گوشوں، یا اذان کے مناروں یا خطبۂ جمعہ کے منبروں یا بعض مذہبی رسمی تقریبات سے آگے نکلنے کی اجازت نہیں ہے، وہ مذہب کو زندگی کے لیے لازم، اس کی تعلیمات کو

انسانیت کا نجات دہندہ، اور اس کی برتری وافضلیت کا اعتراف کرتے ہوئے حالات کے سامنے اپنے آپ کو مجبور تصور کرتا ہے، اور اپنی ذاتی زندگی تک اسلام کے محدود رکھنے کو بہت کافی سمجھتا ہے۔

لیکن اس بگڑی ہوئی دنیا اور ترقی کے آخری نقطہ تک پہنچی ہوئی اس تہذیب کے دھاروں میں ایک طبقہ وہ بھی موجود ہے جو ہر حال میں اسلامی نظام کو قابل عمل اور اسی کو انسانیت کے سارے دکھ درد کا علاج تصور کرتا ہے، وہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ان تمام تدبیروں اور وسائل کو بروئے کار لاتا ہے جن کی اسلام اجازت دیتا ہے اور اس کے لیے ہمت افزائی کرتا ہے۔

یہ ان داعیوں اور داعیانہ جذبہ رکھنے والے ان افراد کا طبقہ ہے جو اسلام کی صحیح فہم اور اس کے صحیح منشا ومراد سے واقف ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ دنیا کا سارا بگاڑ، ساری خرابیاں اور ہر طرح کی برائیوں، اور فسادات کا سرچشمہ مذہب سے بے تعلقی ہے اور اس خدا بیزار تہذیب کا نتیجہ ہے جو آج ساری دنیا پر مسلط ہے۔

یہی وہ طبقہ ہے جو مادہ پرست حکومتوں، اور ان کے پیچھے چلنے والی تمام حکومتوں کی نظر میں انتہائی مبغوض اور گردن زدنی ہیں، یہ پرجوش اور ایمان وعمل کے جذبہ سے لبریز وہ افراد ہیں جو اسلام کی حقانیت، اس کی ابدیت، اس کی ہمہ گیریت اور اس کے بلند تصورات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں، جو منکر کو دیکھ کر خوش نہیں رہ سکتے، جو گناہوں کو فروغ پاتے ہوئے دیکھ کر تغافل نہیں برت سکتے، جن کی آخری تمنا اسلام کی سربلندی ہے، جو ایمان کی زندگی اور خدا ورسول کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والے حلقہ کو وسیع کر کے زندگی میں اللہ کے قانون کو نافذ ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ ہر مرض کا علاج اسلام اور صرف اسلام کو سمجھتے ہیں۔

اس طبقہ کا وجود آج کی ہر حکومت اور ہر اقتدار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو کچلنے اور آوازۂ حق کو خاموش کردینے کے لیے تمام حکومتیں متحد ہیں خواہ وہ مسلم ممالک کی حکومتیں ہوں یا غیر اسلامی ملکوں کی حکومتیں، حد تو یہ ہے کہ اس طبقہ کو پسپا کرنے کے لیے ان حکومتوں نے صرف آتش وآہن کی مدد پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے رعایا کے تمام مسلمان افراد کو ان کی مخالفت کرنے اور ان کا خاتمہ کرنے پر آمادہ کیا۔

گویا اسلام کو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کمزور کرنے اور اس کے تناور درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے انہیں کے افراد کو استعمال کیا گیا اور دین کی مخالفت نام نہاد دین سے، اسلام کی مخالفت مصنوعی اسلام سے، اور اسلامی قدروں کی مخالفت مصنوعی مذہبی قدروں سے کی جانے لگی، ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو، ایک جماعت دوسری جماعت کو، ایک شخص دوسرے بزرگ کو نقصان پہونچانے کے لیے اس طرح آمادہ ہو گیا کہ گویا وہ کوئی بہت مقدس اور کوئی بہت عظیم اسلامی مہم انجام دے رہا ہے، جس سے غفلت برتنے پر آخرت میں اس کو جوابدہ ہونا ہوگا۔

یہ ہے وہ تلخ حقیقت، جو آج مسلمانوں کے معاشرہ میں ہر جگہ موجود اور محسوس ہے، کہیں بڑے پیمانے پر، کہیں حکومتوں کی سرپرستی میں اور کہیں جماعتوں کی سرپرستی میں، کہیں ذاتی بغض وعناد کے جذبات کام کر رہے ہیں تو کہیں جاہ ومنصب کی حرص وہوس اپنی کمندیں پھیلا رہی ہے۔

اس افسوس ناک حقیقت سے بھی انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اسلام دشمن طاقتوں اور اس کے مخالفین کو اس طرز عمل سے بہت شہ ملی، انہوں نے خواہ اس موقع کو غنیمت سمجھا ہو، یا کوشش کر کے یہ موقع پیدا کیا ہو، جو صورت حال بھی ہو، بہرحال وہ مسلمانوں کو کمزور اور مغلوب، ذلیل وخوار، کمزور و ناتواں اور شکست خوردہ بنانے کے لیے بہت کافی تھی، چنانچہ اس کا ردعمل یہ ہوا اور برابر ہوتا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ عظیم اور غالب امت صرف کمزور اور مغلوب ہی نہیں ہے، بلکہ احساس ذلت ورسوائی کے ایسے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے جس نے اس کو ہر بلندی اور پیش قدمی سے محروم کر رکھا ہے، اور جس سے بظاہر (جب تک یہ صورت حال اور طرز عمل قائم رہے) نجات کی کوئی توقع بھی نہیں:

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

میں نہیں سمجھتا کہ امت اسلامیہ کی موجودہ مغلوبیت ومظلومیت کسی اور طرز عمل کا نتیجہ ہے، بلکہ اسی طرز عمل نے اس کو اس انجام تک پہونچا دیا کہ دس کروڑ مسلمانوں کی ۲۲/بڑی بڑی حکومتوں نے مل کر بھی تنہا ایک معمولی تعداد رکھنے والی ذلیل قوم یہود کو جوان کے ملک میں دخیل اور جارح قوم تھی جو ہر چہار جانب سے انہیں حکومتوں سے گھری ہوئی تھی، صرف اس کو بھی یہ ساری حکومتیں ایک آواز اور ایک جسم ہو کر زیر نہ کر سکیں، بلکہ شکست کھا کر اور جان و مال اور رقبہ حتی کہ مسجد اقصیٰ جیسی مقدس یادگاروں تک کا عظیم تر خسارہ برداشت کر کے واپس آگئیں۔

اسی طرز عمل کا انجام ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی تعلیمات وشعائر، اور اس کی روح سے بالکل کٹ چکا ہے، اور اس نے وہ کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے جو وقت کی سب سے ذلیل وکمزور اور پست ہمت قوم ادا کرتی ہے، اور جو قوم قیادت وامامت کا خداداد منصب لے کر آئی تھی وہی آج اپنے زمانہ کی پیرو اور مقلد ہے، اقبالؔ نے پہلے ہی کہا تھا:

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

☆☆☆☆☆

فکر معاصر

حالات وخطرات کا مقابلہ اور صحیح فہم وفراست

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

امت اسلامیہ آج جس پرآشوب دور سے گزر رہی ہے، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، دنیا کے ہر خطہ میں امت اسلامیہ مختلف مسائل، مشکلات، خطرات اور چیلنجز سے دوچار ہے، اغیار اسلام اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہرطرح کے ہتھکنڈے اور وسائل اختیار کررہے ہیں، دوسری طرف داخلی اختلاف وافتراق، خلفشار وانتشار، مسلکی ٹکراؤ اور گروہی تصادم نے امت اسلامیہ کو کھوکھلا کردیا ہے۔

مسلمان آج زندگی کے ہر میدان میں مشکلات وخطرات کے نرغے میں ہیں، معاشرتی، تہذیبی، تمدنی، لسانی، سیاسی، اقتصادی اور عقیدہ کے لحاظ سے خطرات وچیلنجوں کا سامنا ہے، دنیا کے ہر خطہ میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے، خواہ وہ اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں، چین سے لے کر امریکہ تک؛ بلکہ مشرق ومغرب میں مسلمان ابتلاء وآزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں، مسلمانوں کو درپیش موجودہ صورت حال کوئی نئی بات نہیں ہے؛ بلکہ مسلمان ماضی میں بھی دنیا کے مختلف خطوں میں بارہا پُرفتن وپُرآشوب دور سے گزر چکے ہیں، وہ اگر ایک خطہ میں آزمائشوں وخطرات سے گزر رہے ہوتے تو دوسرے خطہ میں کرسی اقتدار پر فائز وتمکن ہوتے، چنانچہ کہا جاتا تھا کہ اسلام کا سورج اگر دنیا کے ایک خطہ میں غروب ہوتا ہے تو دوسرے خطہ میں طلوع ہورہا ہوتا ہے، تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

ماضی میں مسلمانوں کی آزمائشیں اور مشکلات عسکری اور فوجی نوعیت کی تھیں، جن کے نتائج وعواقب محدود ہوا کرتے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں انقلاب اور بیداری کے اسباب پیدا ہوئے، لیکن مسلمان آج جن حالات سے دوچار ہیں، وہ ماضی سے مختلف اور جداگانہ ہیں؛ بلکہ موجودہ حالات سامراجی عہد سے مختلف ہیں جب کہ اس سے قبل سارا عالم اسلام سامراج کے قبضہ میں تھا۔

ایک طرف صورت حال یہ ہے کہ قبولیت اسلام کی ایک لہر ہے اور اب ان علاقوں میں بھی اسلام اپنے وجود کو منوا رہا ہے، جہاں ماضی میں اسلام کا کوئی نام لیوا نہ تھا، یورپ میں مساجد، دینی مدارس، اسلامی سنٹرز اور اداروں کا قیام ایک عام بات ہے، یورپ میں متعدد سرکاری اسکولوں میں اسلامی تعلیم اور اسلامی شریعت پر عمل کی اجازت دی جارہی ہے، جب کہ ماضی میں یورپ میں اس طرح کے اسلامی آثار کا وجود نہیں تھا، غیرمسلم حلقوں میں قرآن کریم کی مقبولیت روز افزوں ہے، عالمی سطح کی یونیورسٹیوں میں اسلامی مطالعہ کی کرسیاں (Chairs) قائم ہورہی ہیں، ماضی کے مقابلہ میں آج اسلام کے مطالعہ کے مواقع زیادہ میسر ہیں اور دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کیے جارہے ہیں، بلاشبہ یہ صورت حال بڑی خوش آئند ہے، دعوتی کوششوں اور سرگرمیوں کے نتائج وثمرات بھی اچھے اور مفید برآمد ہورہے ہیں، اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کے اثرات ظاہر ہورہے ہیں، خصوصاً نائن الیون واقعہ اور ڈنمارک میں اہانت آمیز کارٹونوں کی اشاعت کے بعد سے دین اسلام کے مطالعہ کا رجحان بڑھا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف عالمی سازشیں بھی زوروں پر ہیں، اسلامی تشخص کو مٹانے اور ختم کرنے کے لیے فکری، سیاسی، اقتصادی، ثقافتی، تمدنی اور فوجی ہرطرح کے وسائل وذرائع اختیار کیے جارہے ہیں، یہ عالمی سازشیں پوری امت اسلامیہ کے لیے خطرہ کا موجب ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ذرائع ابلاغ اور نئے مواصلاتی نظام کے ذریعہ سے زبردست گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔

یہ سازشیں بیک وقت فوجی، سیاسی، فکری اور تہذیبی یلغار کی شکل میں جاری ہیں، طرفہ تماشا یہ کہ مسلمانوں کے سامنے دفاع کے تمام دروازے بند کردیے گئے ہیں، حتی کہ اپنے کو بے گناہ بھی ثابت نہیں کرسکتے، مسلمانوں کو زبردست پروپیگنڈہ کا سامنا ہے، جس کا وہ وسائل اور صلاحیت کے باوجود مقابلہ نہیں کرسکتے، حالانکہ وہ حق پر ہیں اور ان پر میڈیا کے ذریعہ لگائے جانے والے تمام الزامات سے وہ کوسوں دور ہیں، لیکن ان کے پاس طاقتور اور مؤثر وسائل ابلاغ نہیں ہیں، جبکہ دشمن علمی اور انسانی تمام وسائل پر قابض ہے، اور خود مسلمان حکومتیں ان کے خلاف ہیں، اس لیے کہ یہ حکومتیں خوفاً یا طمعاً اسلام دشمن عالمی طاقتوں کے تابع ہیں۔

سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ مسلم ملکوں کے نصاب تعلیم سے ان موضوعات ومضامین اور ایسے مواد کو نکالا جارہا ہے جس سے طلبہ میں اسلامی شعور وبیداری اور اسلامی فکر ورجحان پیدا ہوتا

ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی احساس وشعور سے عاری کردیا جائے تا کہ وہ سازشوں کا ادراک نہ کرسکیں، پوری دنیا میں اسلامی مدارس اور دینی مکاتب کے خلاف مہم چلائی جارہی ہے اوران مدارس کو اہل خیر حضرات سے ملنے والی امداد پر پابندی لگائی جارہی ہے۔

امت اسلامیہ کے خلاف عالمی پیمانے پر جو جنگ جاری ہے وہ نفسیاتی اور شعوری جنگ ہے جو اعصابی جنگ سے زیادہ خطرناک ہے، بلکہ سرد جنگ سے بھی زیادہ خطرناک ہے جو سوویت یونین کے زمانہ میں مغربی یورپ اور مشرقی یورپ کے درمیان جاری تھی، اسلام مخالف طاقتیں فکروفن اور ادب لٹریچر کی راہ سے اسلام کو ایسی شکل میں پیش کرنا چاہتی ہیں جو ان کے تصور اور نظریہ کے مطابق ہو۔ نئی تحقیقات اور رپورٹوں کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دشمنان اسلام نے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے نئی پالیسی بنائی ہے یہ پالیسی ادب ولٹریچر، علم وفن، شعروشاعری، طنزومزاح، لطائف، چٹکلوں، کارٹونوں، لباس، گھریلو سازوسامان اور دیگر تفریحی وسائل کے ذریعہ اسلام پر حملہ کرنے کی ہے، یہ نئی پالیسی سرد جنگ سے بھی زیادہ خطرناک اور جارحانہ ہے، چند سال پہلے (اگست/۲۰۰۵ء) ''یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ'' میگزین نے ''فکروذہن اور ڈالر'' کے عنوان کے تحت لکھا تھا کہ امریکی انتظامیہ عالم اسلام پر اثر انداز ہونے کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کررہی ہے اور ان ذرائع نشرواشاعت، تحقیقی اداروں اور ریسرچ سنٹروں کو سرمایہ فراہم کررہی ہے جو اسلام اور مسلمان کی تصویر مسخ کرکے پیش کرتے ہیں، اس نئی جنگ کا نام ''جنرل ڈپلومیسی'' رکھا گیا ہے۔ لہٰذا ادبا اور فنکاروں کے ذریعہ شان رسالت میں گستاخی اور اسلام، اسلامی شعائر، اسلامی مقدسات اور مسلمانوں کی توہین کا سلسلہ جاری ہے، اور ایسے لوگوں کو سیاسی پناہ اور مالی مدد فراہم کی جارہی ہے۔

بیرونی حملہ کے ساتھ ساتھ مسلمان داخلی طور پر بھی ایسے وقت میں باہمی اختلافات و انتشار کا شکار ہیں جب کہ انہیں اتحاد واتفاق کی ضرورت ہے، یہ بھی دشمنوں کی سازش کا ایک حصہ ہے کہ مسلمانوں کو باہم لڑا کر ان کی طاقت و قوت منتشر اور کمزور کردی جائے اور وہ دشمنوں کی سازشوں اور مکاریوں سے غافل و بے خبر رہیں، آج پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، عراق، یمن، مصر، شام، لیبیا، تونس اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جو کچھ ہورہا ہے، وہ اس کا ثبوت ہے، جہاں مسلمانوں کو مسلکی بنیاد پر، اقتصادی، طبقاتی، خاندانی، سیاسی اور فکری بنیاد پر اختلافات اور کشمکش میں الجھایا جارہا ہے، مختلف گروپوں میں مسلح تصادم کرایا جارہا ہے، خودکش حملے کرائے جارہے ہیں جن میں مسلمانوں ہی کا جانی ومالی نقصان ہوتا ہے، غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلمانوں پر طرح طرح کا دباؤ ڈالا جارہا ہے، اس کی تازہ مثال میانمار (برما) ہے جہاں سفاک بودھسٹوں نے نہتے روہنگیائی مسلمانوں کا قتل عام کیا، لیکن انسانی حقوق کی عالمی تنظیمیں خاموش تماشائی بنی رہیں، شروع میں اقوام متحدہ بھی خاموش رہا، ترکی اور دوتین اسلامی ملکوں کے علاوہ عالم عربی بے دست وپا بنا رہا۔

ذرائع ابلاغ اور نصابی کتابوں کے ذریعہ مسلمانوں کی دل آزاری کی جارہی ہے، ملک دشمن کہا جارہا ہے، اور ان پر دہشت گردی، وطن دشمنی اور قدامت پرستی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ دوسری طرف سامراج متعدد ملکوں میں مختلف طریقوں سے اپنا اثرورسوخ بڑھانے کی کوشش کررہا ہے۔

معیشت کے میدان میں مسلم ملکوں کے اہل ثروت کی دولت غیر ملکی طاقتوں کے تصرف میں ہے، اس لیے کہ عالمی بینکوں، فنڈنگ کرنے والے اداروں اور سرمایہ کاری کے مرکزوں پر انہی طاقتوں کا قبضہ ہے، چنانچہ اہل خیر حضرات محنت اور خون پسینے سے کمائی ہوئی اپنی ہی دولت کو اپنی مرضی سے خرچ نہیں کرسکتے، غیر ملکی طاقتیں مصارف متعین کرتی ہیں، حتی کہ زکوۃ اور صدقات وخیرات میں بھی انہی طاقتوں کی ہدایات کے پابند ہیں۔

مسلمان جن خطرات سے دوچار ہیں، ان میں وہ فکری وثقافتی یلغار بھی ہے جو موجودہ دور میں اصلاح پسند اور آزادانہ خیالات وافکار کے حامل مسلم مفکرین، محققین اور نام نہاد دانشور کررہے ہیں، ماضی میں یہ فکری وثقافتی یلغار یورپی مفکرین و مستشرقین کررہے تھے جن کا دائرہ اثر معلوم ومحدود تھا، اس سے موجودہ فکری وتہذیبی یلغار زیادہ خطرناک ہے، آزادانہ خیالات کے حامل مسلم مفکرین بھولے بھالے، سیدھے سادے اور سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں، اور ان کے دلوں میں اسلامی تعلیمات واحکام کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا کردیتے ہیں، دینی حقائق و مسلمات کو مسخ کررہے ہیں، دینی احکامات اور تعلیمات پر تحریف کررہے ہیں، روشن اسلامی تاریخ کو بدنما بنا کر پیش کررہے ہیں، ان کا لٹریچر عربی، فارسی، اردو اور مسلمانوں میں رائج مختلف زبانوں میں شائع ہورہا ہے، اور بیرونی طاقتیں اور مسلم حکومتیں ان کی سرپرستی کررہی ہیں اور اس طرح وہ مسلم حلقوں میں عام کیا جارہا ہے، انہیں اسلام

مخالف طاقتیں ہر طرح کا تعاون بہم پہنچا رہی ہیں، اور اب انٹرنٹ، اخبارات ورسائل اور نشر و اشاعت کے جدید وسائل نے اس کو اور آسان کر دیا ہے۔

کہیں عسکری جنگ کا سامنا ہے، تو کہیں فکری اور علمی جنگ کا، کہیں تہذیبی وثقافتی یلغار کا سامنا ہے، تو کہیں معاشی بحران کا، کہیں خارجی خطرات کا سامنا ہے تو کہیں داخلی چیلنجز کا، دوسری طرف جو افراد ان خطرات کا مقابلہ کر سکتے ہیں وہ یا تو قید و بند کا شکار ہیں یا حقیقت اور صحیح صورت حال سے واقف نہ ہونے کی بنا پر خاموش ہیں، یا گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے ہیں یا وہ قدیم تاریخ کے مسائل و امور میں الجھے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے ان کو نئے نئے چیلنجز اور خطرات پر اور ان مسائل پر توجہ دینے کا موقع ہی نہیں ملتا، جن پر امت اسلامیہ کے وجود کا دار و مدار ہے۔

پوری دنیا میں خاص طور سے اسلامی ملکوں میں عیسائی مشنری کے مختلف تعلیمی، ثقافتی اور رفاہی ادارے اور نٹ ورک (Net-work) کام کر رہے ہیں، عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں ان ملکوں میں شباب پر ہیں، جو جنگوں سے نڈھال ہو چکے ہیں یا طبقاتی کشمکش، معاشی واقتصادی پریشانیوں سے دوچار ہیں، بہت سے ممالک ایسے ہیں جہاں پہلے چرچ کا وجود نہیں تھا، اب وہاں عیسائی عبادت گاہیں اور چرچ قائم ہو چکے ہیں، مثال کے طور، خلیجی ممالک، متحدہ عرب امارات، عراق، افغانستان اور موریطانیہ وہ ممالک ہیں جہاں پہلے چرچ کا وجود نہیں تھا، لیکن اب جگہ جگہ چرچ نظر آنے لگے ہیں اور مسلمان ملکوں میں عیسائی آبادی کا تناسب بڑھانے کے لیے منصوبہ بند کوششیں ہو رہی ہیں، عالمی طاقتیں مسلم ملکوں میں غیر مسلم اقلیتوں کو بغاوت اور علیحدگی پر اکسا رہی ہیں، عیسائی مشنریوں کو یورپی ملکوں کا بھرپور تعاون اور سرپرستی حاصل ہے، عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں بھی ایک بڑا خطرہ ہیں، اس کا مقابلہ صرف دعوت اسلامی کی کوششوں سے کیا جا سکتا ہے، اس کے لیے شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے اور جدید وسائل اختیار کرتے ہوئے تعلیم و تربیت اور دعوت و اصلاح کے کاز کو فعال اور مؤثر بنانا ضروری ہے۔

تاریخ میں کئی مرتبہ مسلم علاقوں پر قبضہ کیا گیا اور پھر کچھ مدت کے بعد یہ آزاد ہو گئے، اسی طرح اسلامی تاریخ میں قتل و غارتگری اور تخریب کے واقعات بھی پیش آئے اور مسلمانوں کو ظالم و جابر طاقتوں کے ظلم کا شکار ہونا پڑا، لیکن موجودہ صورتحال اس سے مختلف ہے، آج اسلام سے نفرت و عداوت پوری دنیا میں وباء کی طرح پھیل گئی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو ہر موقع پر مجرم گردانا جا رہا ہے، ان کو دہشت گرد، انتہا پسند، امن دشمن کہا جا رہا ہے، دنیا کے کسی بھی حصہ میں پیش آنے والے دہشت گردی کے واقعہ کو آسانی کے ساتھ مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا ہے، بے گناہوں کو گرفتار کیا جاتا ہے اور انہیں ناکردہ جرم کی سزا دی جاتی ہے، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ایسی صورت حال پیدا کر دی گئی ہے کہ ہر جگہ مسلمان مشتبہ سمجھا جاتا ہے، لوگ اس سے خوف و ڈر محسوس کرتے ہیں، لندن سے شائع ہونے والا مجلّہ ’’اکنامسٹ‘‘ (The Economist) نے لکھا کہ ’’ہمارے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ دشمن ہماری صفوں میں در آیا ہے، خارجی دشمن کا مقابلہ کرنا تو آسان ہے، لیکن اندر چھپے ہوئے دشمن کا مقابلہ کرنا دشوار ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنے پڑوسیوں کے لیے خطرہ ہیں، اس وجہ سے مسلمانوں کے درمیان رہنے والوں کو ان سے ڈرتے اور ہوشیار رہنا چاہیے‘‘۔

مسلمانوں کے تعلق سے یہ منفی تصور میڈیا کی دین ہے، جس نے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ ’’صرف اور صرف اسلام ہی دہشت گردی کا سرچشمہ و منبع ہے‘‘ یہ موجودہ صورت حال جنگ سے زیادہ خطرناک ہے۔

موجودہ حالات کا مقابلہ اور اصلاح کے لیے سنجیدہ، مثبت اور ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے، حالیہ برسوں میں بعض حلقوں کی طرف سے بدگمانی، غلط فہمی، خوف و دہشت اور شک و شبہ کے ماحول کو ختم کرنے کے لے بین المذاہب مذاکرات کا دور شروع کیا گیا ہے، اس مہم کا مقصد، مسلمانوں کے تعلق سے جو منفی رائے قائم کی جا رہی ہے، اس کا ازالہ بتایا گیا ہے، یہ ایک مثبت کوشش ہے، لیکن عالمی طاقتیں جانب دارانہ کارروائیاں کر رہی ہیں، بلکہ موجودہ سپر پاور کی تمام تر کارروائیوں کا ہدف اسلام اور مسلمان ہیں جب کہ دنیا کے مختلف خطوں میں جو دہشت گرد اور انتہا پسند تنظیمیں اور ادارے پھیلے ہوئے ہیں ان سے سپر پاور نہ صرف یہ کہ صرف نظر کرتا ہے، بلکہ ان کی سرپرستی کرتا ہے، اسی طرح عالمی میڈیا اور ذرائع نشر و اشاعت مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنے والا لٹریچر شائع کر رہے ہیں، اور مسلم دشمنی پر مبنی کتابیں اور مضامین شائع کیے جا رہے ہیں، اگر یہ معاندانہ رویہ ترک نہیں کیا گیا اور اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی گئی تو اس سمت میں بظاہر مثبت دکھائی دینے والا اٹھایا گیا کوئی قدم ایک سراب ثابت ہوگا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان باہمی

اعتماد اور مفاہمت پیدا کرنے کے لیے کوششیں کی جائیں، اس سلسلے میں ادبا، مفکرین، دانشور اور صحافی اور میڈیا سے وابستہ افراد اچھا رول ادا کرسکتے ہیں، اس کے لیے تعمیری ومثبت اور منصفانہ ذہنیت کے حامل میڈیا کی ضرورت ہے، اس سلسلے میں مسلمانوں کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ وہ مجرم گردانے جارہے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ علم وفن کے ذریعہ، میڈیا کے ذریعہ اور جامع مذاکرات، مثبت ڈائلاگ اور شخصی وانفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ غلط فہمیوں کو دور کریں، اور اسلامی تعلیمات کی صحیح تصویر پیش کریں، اسی کے ساتھ ساتھ مخالفانہ ومعاندانہ کارروائیوں پر ردعمل کے اظہار سے گریز کریں، اور اشتعال انگیزی کا جواب اشتعال انگیزی سے نہ دیں، کیونکہ یہ طریقہ حالات کو مزید ابتر بنادے گا، ان کو اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے علمی، فنی، ثقافتی اور اجتماعی کوششیں کرنی چاہئیں اور مخالفانہ حلقوں تک رسائی اور تفہیم کے لیے مواقع تلاش کرنے چاہئیں۔

موجودہ صورت حال میں اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمان ہوشمندی، دانشمندی، اور صحیح فہم و فراست کا ثبوت دیتے ہوئے حالات کا جائزہ لیں، اور سازشوں اور خطرات سے باخبر رہیں، اور چیلنجوں اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے حکمت عملی پر مبنی مناسب اور صحیح حکمت عملی اپنائیں اور فکر وفن زبان و ادب، تہذیب وثقافت اور تفریحی پروگراموں کے راستہ سے جو حملے ہورہے ہیں ان ہی ذرائع سے اس کا مقابلہ کیا جائے، کیونکہ مدافعت کی حکمت یہی ہے کہ وہ ہتھیار اختیار کیا جائے جو دشمن اختیار کرتا ہو، فرمان الٰہی ہے:

"وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ، وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ، اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ، وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ، إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ". [انفال:۶۰]

(اور ان سے مقابلہ کے لیے جس قدر بھی تم سے ہوسکے سامان درست رکھو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جن کے ذریعہ سے تم اپنا رعب رکھتے ہو، اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی، کہ تم انہیں نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے، اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے، وہ تمہیں پورا پورا دیدے گا، اور تمہارے لیے ذرا بھی کمی نہ ہوگی، اور وہ اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف جھک جائیں، اور اللہ پر بھروسہ رکھے، بے شک وہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے)۔

مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں ضروری ہے کہ ان ذرائع ووسائل نیز اس حکمت عملی سے واقفیت پیدا کی جائے جو دشمن اختیار کرتا ہے، مسلمانوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ موجودہ دور کے خطرات اور چیلنجز کے لیے ایسے وسائل اختیار کرتے ہیں جن کا زمانہ ختم ہوچکا ہے اور جو آؤٹ آف ڈیٹ ہوچکے ہیں، جب مسلمان نئے چیلنجوں اور خطرات کی حقیقت ونوعیت سے واقف ہوجائیں گے اور اس کے لیے صحیح اور مناسب وسائل اختیار کریں گے تو کامیاب و کامران ہوں گے اور تمام خطرات وچیلنجوں کا مقابلہ کرسکیں گے۔

☆☆☆☆☆

Declaration Of Ownership & Other Details

Form-4 Rule-8

Name Of Paper:	**Tameer-e-Hayat**
Place Of Publication:	**Lucknow**
Periodicity Of Publication :	**Fortnightly**
Cheif Editor:	**Shamsul Haque Nadwi**
Nationality:	**Indian**
Address:	**Campus Darul Uloom Nadwatul Ulama Tagore Marg.Lucknow U.P.INDIA**
Printer & Publisher :	**Athar Husain**
Nationality:	**Indian**
Address:	**21,Adnan Palli,Near Hira Public School Ring Road, Dubagga Kakori,Lucknow.**

I Athar Husain Printer, Publisher Declare That The above information Is correct To the best of knowledge and belief.

Athar Husain

راہِ عمل

راستے بند ہیں سب کوچۂ دعوت کے سوا

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کا یہ مقام و مرتبہ رکھا ہے کہ وہ دوسرے تمام افکار و مذاہب پر غالب رہے: "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" [الفتح: ۲۸] مخالف اسلام طاقتیں اسلام کے رخ روشن پر کتنا بھی غبار ڈالنا چاہیں، اللہ تعالیٰ اسلام کی روشنی کو مکمل کر کے رہیں گے: "وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" [الصف: ۸] یہ یقیناً اللہ کا نوشتہ ہے جو ماضی میں بھی پورا ہوتا رہا ہے، اور مستقبل میں بھی ان شاء اللہ پورا ہوتا رہے گا، لیکن کسی چیز کے غالب آنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک اندرونی طاقت اور دوسرے وہ ہتھیار جس کو وہ استعمال کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ وہ طاقت کیا ہے، جو اسلام کو عطا کرتی ہے؟ اور وہ ہتھیار کیا ہے جس کو اسلام غلبہ کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے؟

اگر قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو اسلام کی سب سے بڑی طاقت اس کی فطرت اور عقل سے ہم آہنگ تعلیمات ہیں، جن کو قرآن مجید میں "آیات بینات" یعنی کھلی ہوئی دلیلوں سے تعبیر کیا گیا ہے، اسلام کے بنیادی افکار نہایت منطقی ہیں، مثلاً توحید اور آخرت کے تصور ہی کو لے لیجیے، وہ ایسے خدائے واحد کی طرف انسانیت کو بلاتا ہے جو بے حد طاقتور دانا اور باخبر ہے، وہ بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے، ایسی خود ساختہ چیزوں کو خدا کہنا خود اپنے بیٹے کو باپ اور اپنے غلام کو مالک کہنے کے مترادف ہے، اس لیے توحید کا عقیدہ سو فیصد عقل کے مطابق ہے، اسی طرح انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے کہ انسان کو اس کے اچھے اور برے عمل کا بدلہ ملے اسی لیے زمانۂ قدیم سے ہر مہذب سماج میں عدالتی نظام قائم رہا ہے، قرآن نے اس لیے آخرت کا تصور پیش کیا ہے، یہ تصور فطرت انسانی کے مطابق ہے، اس کا یہ عقیدہ انسان کو اس وقت بھی ظلم سے روکتا ہے، جب کوئی دیکھنے والی آنکھ اور ٹوکنے والی زبان نہیں ہوتی، غرض کہ عقیدہ و ایمان کا عبادات کا، معاشرتی زندگی کے قوانین ہوں یا معاشی نظام سے متعلق اصول یا ملکی اور قومی تعلقات ہوں، ہر جگہ اسلامی تعلیمات عدل و اعتدال پر مبنی، انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور سماجی مصلحتوں سے مطابقت رکھنے والی ہیں اسلام کی سب سے بڑی طاقت یہی ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے کفار و مشرکین، اس دور کے یہود و نصاریٰ یا دوسری اسلام دشمن طاقتوں کو کبھی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے مذہبی اور قومی افکار کا مقابلہ اسلامی تعلیمات سے کریں بلکہ انہوں نے ہمیشہ ہارے ہوئے حریف کی طرح پروپیگنڈے سے کام لیا۔

عہد نبوی کے دشمنان اسلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جادوگر اور شاعر ہونے کا پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے، صلیبی جنگوں کے درمیان عیسائیوں نے یہاں تک پروپیگنڈہ کیا کہ کعبۃ اللہ میں ایک بت ہے اور محمدؐ اس کی پرستش کرتے ہیں، صلیبی جنگوں کے بعد چونکہ اس طرح کے پروپیگنڈے خود عیسائی عوام کے نزدیک مضحکہ خیز اور ناقابل قبول ہوئے، اس لیے مستشرقین نے کچھ نئی افترا پردازیاں کیں، موجودہ دور میں بلا دلیل اسلام کے شدت پسند اور دہشت گرد ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ عالم اسلام کی بزدلی، کم حوصلگی اور ہوس اقتدار کے ساتھ ساتھ غیر دینی اور حمیت ملی سے محروم کی وجہ سے مغرب کی اس مقدمہ میں مدعی بھی ہے اور منصف بھی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی اندرونی طاقت جو کل تھی، وہی آج بھی ہے، مسلمانوں کی اپنے دین کی طرف رغبت اور مختلف ملکوں میں قبول اسلام کی طرف رجحان یہ اسی طاقت کا اثر ہے، ورنہ تو ذرائع ابلاغ نے اسلام کو اس درجہ بدنام کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی شخص پلٹ کر بھی اسلام اور مسلمانوں کی طرف نہ دیکھتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ کون سا ہتھیار ہے جو غلبہ اسلام کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکتا ہے؟ آج کا دور صبح و شام ہتھیاروں کی تیاری کا دور ہے، ایسے آتشیں ہتھیار تیار ہو چکے ہیں کہ لمحہ بھر میں ایک شہر تو کیا ایک ملک کو جلا کر خاکستر کر دے، پانی کو تھامے ہوئے کسی ڈیم پر ایک بم گرا دیا جائے اور پورا پورا شہر طوفان نوح کی طرح غرقاب ہو جائے، ایسے کیمیائی ہتھیاروں سے اسلحہ کا گودام بھرا ہوا ہے کہ لمحہ بھر میں آبادی کی آبادی چھلنی ہو جائے اور شہر کا زندہ لاشوں کا

قبرستان بن جائے، آج مغرب سے مشرق تک ان خوں آشام ہتھیاروں کی نمائش ہورہی ہے اور نہ جانے کب تک انسان کشی کا یہ کھیل کھیلا جاتا رہے گا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کو کبھی ہتھیاروں سے غلبہ حاصل نہیں ہوا۔

جب مکہ کے افق سے ایمان کا سورج طلوع ہوا، اس روشنی کا سرچشمہ صرف ایک ہستی تھی، پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی، پھر اس قافلہ میں کچھ خوش نصیب شامل ہوتے گئے لیکن ہجرت تک یہ ایک نہایت کم تعداد یعنی اقلیت تھی، پھر مدنی زندگی کے ابتدائی پانچ سال اس طرح دعوت میں گزرے کہ بعض صحاب جب سوتے تھے تو اپنے بستر میں تلوار رکھ کر سوتے تھے کہ مبادا دشمن حملہ آور ہو جائیں۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کی صورت حال کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ وہ خوف زدہ رہتے تھے کہ کہیں انہیں اچک نہ لیا جائے، اس لیے حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو کہیں بھی اپنی سربلندی اور غلبہ وظہور کے لیے ہلاکت خیز اسلحہ کی ضرورت نہیں پڑی، دنیا کے جس خطے میں مسلمان پہنچے کم وبیش ان کی یہی صورت حال رہی۔ وہ ایک مختصر سے قافلہ کی صورت میں پہنچے اور دیکھتے دیکھتے ابر رحمت بن کر چھا گئے۔

یہ کون سا ہتھیار تھا اور اس کو کس کارخانے میں ڈھالا گیا تھا؟ یہ ہتھیار دعوت دین کا تھا، جسے حسن اخلاق سے صیقل کیا جاتا تھا، یہ ہتھیار زمینوں کو نہیں دلوں کو فتح کرتا تھا، یہ ملکوں کا نہیں دماغوں کا خریدار تھا، اس کا تخت اقتدار زمین سے پہلے قلب ونظر کی زمین پر بچھا کرتا تھا، مردوں اور عورتوں کو قیدی نہیں بناتا تھا بلکہ محبت کا سوداگر تھا اور دل ونگاہ کو اپنا اسیر بنالیتا تھا، اس ہتھیار سے اسلام نے جزیرۃ العرب کو فتح کیا تھا، ہجرت کے آٹھویں سال جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے ساتھ صرف دس ہزار جان نثار تھے، مکہ کو خون بہا کر فتح نہیں کیا گیا بلکہ محبت کی سوغات بانٹ کر جیتا گیا، کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو ودرگزر اور انسانیت نوازی سے متاثر ہوکر قریب قریب پورا مکہ مسلمان ہوگیا، اس کے بعد مسلمانوں نے یکسو ہوکر دعوت اسلام کی طرف توجہ کی اور صرف دوسال کے بعد حجۃ الوداع کے موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو تقریباً سوالاکھ رفقاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے، اسی طرح اسلام کی روشنی مشرق اور مغرب میں پھیلتی گئی، گھٹائیں چھٹتی گئیں اور ظلمت وکفر کی دبیز چادر اسلام کے رخ روشن کے سامنے تار تار ہوتی گئی، یہ سب کچھ اس طرح ہوا کہ نہ اسلام کے پیچھے تلوار تھی نہ توپ وتفنگ، نہ جنگی جہاز تھے، نہ بم اور میزائل تھے۔ یہ صرف دعوت دین کا ہتھیار تھا، جس نے دشمنوں کے جسموں کو نہیں دلوں کو جیت لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلایا گیا کہ میرا اور میرے پیروکاروں کا اصل ہتھیار دعوت ہے، میرا طریق یہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اس کے مالک کی طرف اور کفر کی تاریکی سے ایمان کی روشنی کی طرف بلاؤں اور میری یہ دعوت پورے شعور، گہرے فہم اور علمی بصیرت پر مبنی ہو: "قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ" [یوسف:۱۰۸] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ زندگی میں مخالفین اسلام سے مقابلہ کا یہی گر بتایا گیا کہ آپؐ حکمت اور دردمندانہ نصیحت کے ساتھ خدانا آشنا لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف بلائیں اور ان سے مذاکرہ بھی کریں اور اس کا مذاکرہ ومکالمہ میں صرف بہتر طریقہ کا استعمال کافی نہیں، بلکہ سب سے بہتر اور خوب تر طریقہ کار کو برتیں: "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" [نحل:۱۲۵]۔

اس کے برخلاف اگر امت دعوت کے کام کو چھوڑ دے تو چاہے وہ بظاہر کتنی ہی مظلوم ہو، پیغام حق کو نہ پہنچا کر انسانیت کے ساتھ ظلم وارتکاب کرنے والی ہوگی اور قرآن مجید نے واضح اعلان کردیا ہے کہ ظالموں کو کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی: "اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ" [الانعام:۲۱-۱۳۶، یوسف:۲۳، القصص:۳۷]

قرآن مجید نے صاف طور پر یہ کہہ دیا ہے کہ اس امت کو بھیجا ہی گیا ہے اور اس کو 'بہترین امت' کے مقام سے نوازا ہی گیا ہے، اس لیے کہ وہ بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ [آل عمران:۱۱۰]

یہ اس امت کو برپا کرنے کا مقصود ہے، بات خدائی منصوبہ کا حصہ ہے کہ جو کام پچھلے پیغمبروں سے لیا گیا ہے وہی کام اس امت سے لیا جائے، اب اگر کوئی چیز اپنے اصل مقصد کے لیے کارگر نہ رہے تو کیا وہ باقی رہنے اور عزت پانے کی مستحق ہے؟

انسان کو ماں باپ، بال بچے، شوہر اور بیوی سے کتنا پیار ہوتا ہے، لیکن جب وہ موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں تو کوئی ان کو اپنے گھر میں نہیں رکھتا، ان کی جگہ قبرستان ہوتی ہے، بلب اور ٹیوب

لائٹ کو انسان اپنی دیوان کی زینت بناتا ہے اور اپنے سروں پر رکھتا ہے لیکن اگر یہ خراب ہوجائیں اور روشن دینا چھوڑ دیں تو پھر اس کی جگہ کوڑا دان ہوتی ہے، ملت اسلامیہ کی صورتحال اس وقت یہی ہے، ایسا لگتا ہے کہ قدرت نے اس کو کوڑا دان میں ڈالنے کا فیصلہ کرلیا ہے، جن کا کام اور جن کا نام عالم انسانی کے افق پر عزت وسربلندی کی علامت سمجھا جاتا تھا اور جن کی فتح وکامیابی کا غلغلہ مشرق سے مغرب تک تھا، وہ آج اس مقام پر ہیں کہ شاید رسوائی اور نامرادی میں کوئی قوم ان کی ہمسر نہ ہو۔

ہندوستان کے موجودہ حالات ہمارے لیے تازیانۂ عبرت ہیں، ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے یہاں اس طرح حکومت کی کہ کوئی طاقت ان کو چیلنج کرنے کی ہمت نہیں کرسکتی تھی، لیکن انہوں نے یہ پورا وقت اقتدار کے محل کو مضبوط کرنے اور بنانے سنوارنے میں صرف کردیا اور چند مشائخ ربانی اور ایک دو نیک دل بادشاہوں کے علاوہ کسی نے اشاعت اسلام کی طرف توجہ نہیں دی، یہاں تک کہ علماء بھی ایک بڑی تعداد مناظرہ بازیوں اور باہمی آویزشوں کے نشہ میں مست رہی، پھر برطانوی استعمار کا ایک کوڑا قدرت کی جانب سے لگایا گیا جو کم وبیش دوسوسال ہم پر مسلط رہا، تقریباً دوسوسال کے اس عرصہ میں کچھ تو حالات کے تقاضے کے تحت اور کچھ طویل عرصہ سے بنے بنائے مزاج کے تحت دعوت اسلام کی طرف توجہ نہیں دی گئی، اس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے بعض خلفاء کا استثناء ہے، جنہوں نے برادرانِ وطن میں تبلیغ کی خدمت انجام دی، اب ملک کی آزادی کو ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، عیسائی بھائیوں نے اس وقفہ میں عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کی مہم چلائی اور اس عرصہ میں کئی ریاستوں کے نقشے بدل کر رکھ دیے، لیکن آہ! اور صد آہ! ہماری غفلت کوشی اور رخود فراموشی کہ ہم اب بھی بیدار نہیں ہوئے، یہاں تک کہ فرائض دین میں دعوت اسلام کا ذکر تک باقی نہیں رہا، جو مسلمانوں پر عائد ہونے والا سب سے پہلا فریضہ تھا اور جو اس کا مقصد وجود تھا۔

قرآن مجید نے دعوت دین کی ایک خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ یہ نفرت کو محبت سے تبدیل کردیتی ہے: "اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ" [حم سجدہ:۳۴] اس لیے مسلمان اس ملک میں جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کا مستقل مؤثر اور دیرپا حل یہی ہے کہ دعوت دین کو مسلمان اپنے لیے اوڑھنا بچھونا بنالیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے غیر مسلم پڑوسیوں سے باتیں کرے، مسلمان ڈاکٹر غیر مسلم مریضوں تک اسلام کو پہنچائے، تاجر ہے تو وہ گاہکوں کو دین حق سے روشناس کرائے، معالج ہو تو مریضوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے، افسر ہو تو اپنے ملازمین کے سامنے اسلام کی حقیقت کو واضح کرے، چاہے کسی بھی پیشے سے متعلق ہو، اپنے ہم پیشہ تک دین اسلام کی بات پہنچائے، سفر میں ہو تو مسافر ساتھیوں سے دینی گفتگو کرے، غرض کہ ہم محبت، حکمت جذبہ، خیر خواہی اور بے لوث خدمت کے سہارے برادران وطن کے دلوں تک پہنچیں اور اس فریضہ کو ادا کریں جس کے لیے اللہ نے ہمیں نہ صرف انسانوں کی اس بستی میں بسایا ہے بلکہ اپنے پیغمبر کا جانشین بنایا ہے۔

گزشتہ تقریباً دو دہائی سے خاص کر بابری مسجد کی شہادت کے سانحہ کے بعد سے مختلف تنظیمیں اور مختلف شخصیتوں نے دعوت کے کام کی طرف جو توجہ دی ہے، بحمد اللہ اس کے بڑے مثبت اثرات ظاہر ہورہے ہیں، اس لیے اگرچہ یہ کام بظاہر دشوار گزار معلوم ہوتا ہے، لیکن اتنا مشکل بھی نہیں کہ جتنا لوگوں نے سمجھ لیا ہے وقت آگیا ہے کہ ہر مسلمان اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے اور غور کرے کہ کیا اس نے اس فریضہ منصبی کو ادا کرنے کی ذرا بھی کوشش کی ہے؟ اور عزم کرے کہ وہ پوری توجہ کے ساتھ اس فراموش کردہ فریضے کو انجام دے گا، اگر مسلمانوں کی آبادی اس ملک میں بیس فیصد ہے اور ہر شخص اپنے چار غیر مسلم بھائیوں تک اسلام کو پہنچائے تو جن کے لیے ہدایت مقرر ہوگی، ان کو ہدایت نصیب ہوگی، جن کے لیے ہدایت مقدر نہیں تو کم سے کم نفرت اور دشمنی کا لٹریچر تو کم ہوگا ہی اور اگر بالفرض ایسا بھی نہ ہوسکا، تو پھر مسلمانوں کے ساتھ نصرت غیبی کا ظہور ہوگا اور جو لوگ ضد اور بے جا عداوت پر مصر ہوں گے، ان کے ساتھ اللہ کی پکڑ ہوگی۔

یہ خدا کا غیبی نظام ہے جس پر انبیاء اور ان کی اقوام کے واقعات اور قرآن مجید کی واضح تعلیمات گواہ ہیں، کاش! ہمیں ایسے کان میسر ہوں جو اس ندائے غیبی کو سن سکیں اور ایسے دل میسر ہوں جو بندگان خدا کے دوزخ کی طرف بڑھتے ہوئے قدم پر اسی طرح بے چین ہوجائیں جیسے اللہ کے نبیوں اور پیغمبروں کے ہوجایا کرتے تھے، وباللہ التوفیق۔

☆☆☆☆☆

آدابِ زندگی

سنتوں پر عمل زندگی کا شعار ہونا چاہیے!

● ....مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:" من تمسّك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مأة شهيد" [جامع الترمذی] (برائیاں عام ہوں، سنتوں کا مذاق اڑایا جارہا ہو، سنتوں کے ساتھ استخفاف اور تذلیل کا معاملہ کیا جارہا ہو، ایسے زمانے میں اگر کوئی میری ایک سنت کو زندہ کرے گا عمل میں لائے گا، اس کو پھیلائے گا تو اس کو سو شہیدوں کا اجر دیا جائے گا)۔

اس سے اندازہ کیجیے کہ سنت کی کتنی بڑی فضیلت ہے اور یہ کہ سنت نبوی کتنا بڑا سرمایہ ہے، اخروی زندگی کو بنانے، سنوارنے اور عمل کو قبولیت کے مقام سے ہم کنار کرنے میں سنت کا کتنا بڑا دخل ہے، سنت زندگی کا کمال ہے، معاملات کی صباحت اور نکھار ہے، اخلاقیات کا صیقل ہے، معاش کی برکت ہے، صفائے دل کا جوہر ہے، نفسانیت کے زہر کا تریاق ہے، اخروی زندگی کے ساتھ ساتھ دنیاوی زندگی کی افادیت اس سے قائم ہے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیمے میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دی، رات بھیگ چکی تھی، ماحول یخ بستہ تھا، ٹھنڈک شباب پر تھی، آواز یہ دی گئی تھی کہ کون ہے جو اٹھے اور ابوسفیان اس وقت کیا کر رہے ہیں، اس کی خبر لے کر آئے"، ٹھنڈک کی وجہ سے ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ باہر نکلا جائے، بالآخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ آواز دی اور ترغیب و تشویق کے طور پر فرمایا کہ وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا لیکن جب کسی طرف سے آواز نہیں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"قم یا حذیفة " (حذیفہ اٹھو!) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام لے کر پکارا تھا، لہٰذا مجھے تو اٹھنا ہی تھا، چنانچہ میں اٹھا اور جانے لگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حذیفة! لاتذعرهم عليّ" (میرے خلاف مشتعل نہ کرنا، ان کو خوف میں مبتلا نہ کرنا)۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ خیمہ سے جب ہم باہر نکلے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم حمام میں چل رہے ہیں، ابوسفیان کے جب میں قریب پہونچا تو دیکھا کہ ایک الاؤ کے پاس وہ اپنی پشت سینک رہے ہیں، میں نے وقت کو غنیمت سمجھا، ترکش سے تیر نکالا، کمان میں رکھا، قریب تھا کہ میں تیر مار دیتا لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتے وقت کی وصیت یاد آگئی اور میں رک گیا اور واپس گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رپورٹ پیش کر دی اور سو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے پر اجر کے علاوہ مادی زندگی میں اس کے مثبت نتائج بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں، اپنے حق میں فضا کو بدلا جاسکتا ہے۔

ملا علی قاریؒ بہت بڑے محدث ہیں، بہت ہی متبع سنت اور عاشق رسول بزرگ تھے، عراق کے رہنے والے تھے، سات مرتبہ حج کیا، طویل سفر اور پر مشقت راہ کی وجہ سے پیروں میں ورم آجاتا تھا مگر ان پر ایک حال طاری رہتا تھا، بعد میں ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئے تھے، وہیں انتقال ہوا اور جنت المعلی میں مدفون ہوئے۔

انہوں نے شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث "من تمسك بسنتي" کے تحت ایک اشکال قائم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں تو بے حساب ہیں، کیا ہر سنت کے احیاء پر اتنا بڑا اجر ملتا رہے گا؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ جی ہاں! ہر سنت کے زندہ کرنے پر اتنا بڑا اجر ملے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ "الشکور" ہے، اس کے اسماء میں یہ نام بھی ہے اور "الشکور" کے معنی ہیں:"الذی یعطی الأجر الجزيل على العمل القليل " یعنی تھوڑے سے عمل پر بھی بہت زیادہ اجر دینے والا، معلوم ہوا کہ چھوٹی سی سنت کو زندہ کرنے میں سو شہیدوں کا اجر ملے گا خواہ کتنی ہی سنتیں زندہ کرو۔

اس موقع پر ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو کچھ عرصہ کے بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے معلوم کیا کہ موت کے بعد تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا، اس نے بتایا کہ میری اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہوئی اور حساب لیا گیا، یہ منظر دیکھ کر میں ڈر گیا کہ اب تو بس جہنم ہی کا فیصلہ ہوگا، اتنے میں ایک چھوٹی سی تھیلی نیکیوں کے پلڑے میں آکر گری، اچانک نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا اور میری مغفرت فرمادی گئی، میں نے عرض کیا: بار الٰہا! کیا معاملہ ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ مٹھی بھر مٹی ہے جو تو نے مسلمان بھائی کی قبر پر ڈالی تھی۔

اس واقعہ کو نقل کر کے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: دیکھو میت کیساتھ قبرستان جانا اور قبر پر مٹی ڈالنا کتنا چھوٹا عمل ہے مگر چونکہ یہ عمل سنت ہے، اس نے اللہ تعالیٰ نے اس پر اتنا بڑا اجر عطا فرمایا، لہٰذا سنتوں پر عمل زندگی کا شعار ہونا چاہیے۔ ☆☆☆

فکرونظر

یہودیوں کی کامیابی وترقی کا راز

● ....مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

دنیا میں ایک قوم ایسی بھی ہے جو اخلاقی قدروں کی قائل ہی نہیں، وہ صرف اور صرف اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتی ہے، اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ- خواہ وہ اخلاقی قدروں کی شکل میں ہو، اصول وقوانین کی شکل میں ہو، حقوق انسانی کے تحفظ کی شکل میں ہو، عدل وانصاف کے تقاضوں کی شکل میں ہو- توڑنے کو تیار رہتی ہے، حیرت مجھے اس پر نہیں لیکن اس پر ضرور ہے کہ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سکہ اسی کا چلتا ہے، فیصلہ اسی کا مانا جاتا ہے، سلامتی کونسل کی میٹنگوں میں ہمدردی کا اظہار اسی سے کیا جاتا ہے، اور تجاویز وہی منظور کی جاتی ہیں جن میں اس کے مفادات کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

ابھی کل کی بات ہے، خانہ بدوش قوموں میں اس کا شمار تھا، دربدر کی ٹھوکریں کھانا گویا اس کا معمول تھا، اور یورپ کی ڈکشنریوں میں توہین آمیز الفاظ کا اس کے لیے استعمال تھا، لیکن آج.....؟ آج صورت حال بالکل بدل چکی ہے، آج اس کے خلاف کوئی اقدام کرنا تو درکنار اس کے خلاف زبان کھولنا بھی ناقابل معافی جرم ہے، یہ تبدیلی کیسے آئی؟ یہ رخ کیسے بدلا؟ حالات نے یہ کروٹ کیوں کرلی؟ کچھ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اٹھتی اور ابھرتی قومیں اس راستے کی جستجو میں رہتی ہیں جو راستہ ان کو قیادت کا موقع فراہم کرسکے جو قومیں اس راستہ کو تلاش کرنے میں اور پھر اس راستہ پر چلنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں وہ اپنا ایک مقام بنالیتی ہیں، جبکہ دوسری قومیں کاسہ گدائی لیے ان کے سامنے بھیک مانگتی نظر آتی ہیں۔

علم نواز اور محنت کش قوموں کی تحقیقات، انکشافات، اور ایجادات کی خبریں روزانہ اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں، سائنس، ٹکنالوجی اور صنعت کے میدان میں ان کی کوششوں کے نمونے تقریباً روزانہ ہی سامنے آتے رہتے ہیں، لیکن جب بات اپنی چھڑتی ہے تو ہر میدان خالی نظر آتا ہے۔

ہم ماضی کی بات تو کرتے ہیں، اسلاف کے کارناموں کا تذکرہ تو کرتے ہیں، ان کے کارناموں کو یاد کرکے کچھ دیر کے لیے خوش بھی ہولیتے ہیں لیکن ماضی کے اس روشن چراغ سے حال کے اس بے نور چراغ کو جلانے کی کوشش ہم نہیں کرتے، ہم نے اپنی زندگی کو صرف نعروں، مظاہروں، جلوسوں، اور مطالبوں تک محدود کردیا ہے، اور علم، عمل، صبر، سنجیدگی، ہوش مندی، حکمت عملی، موقع شناسی، اور منصوبہ بندی سے اپنا ناطہ توڑلیا ہے۔

ہم اکثریت سے ٹکراتے ہیں، نتیجہ پسپائی کی شکل میں آتا ہے، ہم نعرہ لگاتے ہیں تو اکثریت کا نعرہ ہمارے نعرے کی ہوا نکال دیتا ہے، ہم جلوس نکالتے ہیں تو اکثریت کے جلوس کے آگے ہمارا جلوس ویسا ہی نظر آتا ہے جیسے سمندر کے سامنے دریا، یا دریا کے سامنے ایک قطرہ، ہم مظاہرہ کرتے ہیں تو اکثریت کے مظاہرے کو دیکھتے ہوئے ہمارا مظاہرہ بے وقعت، پھسپھسا اور مضحکہ خیز نظر آتا ہے، یہاں ایک مثال کافی ہے، خبر اگرچہ پرانی ہے لیکن حال پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے۔

ایک مسلم سیاسی پارٹی نے مہاراشٹر میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ پونہ اور ممبئی کے چوراہوں پر کیا، اس نعرہ کے جواب میں ہندو مہاسبھا کے زیر اہتمام پورے ایک ہفتہ کے لیے اردو ہٹاؤ مہم چلانے کا اعلان کردیا، اشتعال انگیز تقریروں اور مسلم دشمنی کی لہر کی لپیٹ میں پورا علاقہ سلگ گیا، اکثریت کے فرقہ پرست عناصر کی طرف سے اس ردعمل کا توڑ ہمارے سیاسی لیڈروں کے ذہن میں نہ تھا، نہ اس مطالبہ میں پلاننگ اور سنجیدگی تھی، بس تھوڑی سی بھیڑ تھی جو جمع ہوگئی تھی، نتیجہ یہ کہ مسلم عوام غیر مسلم فرقہ پرستوں کی زد میں آگئیں، اور مسلم سیاسی لیڈران اپنی سرکاری اور نجی رہائش گاہوں میں آرام اور سہولت سے براجمان۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قومیت کی بنیاد پر اقلیت کی صف آرائی اور برادران وطن سے حریفانہ کشمکش اکثریت کے فرقہ پرست عناصر کو نئی زندگی بخشتی ہے، اور ان کے باہم برسرپیکار طبقوں کو ایک پلیٹ فارم پر لے آتی ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم سیکھنے کی کوشش نہیں کرتے، اور تجربات سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے، ہم جذبات کی رو میں بہہ کر اس قوم کے بارے میں سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے جس نے علم اور عقل کا راستہ اپنایا اور برداشت سے کام لیتے ہوئے پوری دنیا پر اپنی گرفت ایسی مضبوط کی کہ آج کوئی اس سے پنجہ آزمائی کے لیے تیار نہیں۔

آئیے آج ایک نظر ادھر بھی ڈالتے ہیں، یہودیوں کی تعداد ہی کیا ہے، اسرائیل کا رقبہ ہی کتنا ہے اور فلسطین پر ناجائز قبضہ کیے اس کو عرصہ ہی کتنا گذرا ہے، لیکن ایک اسرائیلی عبرانی اخبار

''معاریف'' کی خبر کے مطابق ہتھیاروں اور جنگی سازوسامان سے اسرائیل کو ہونے والی گزشتہ سال کی آمدنی تقریباً 6.2 بلین ہے، اخبار کا یہ بھی کہنا ہے کہ موجودہ عالمی اقتصادی بحران کے باوجود اس بات کی پوری امید ہے کہ ہتھیاروں سے ہونے والی یہ آمدنی سال گزشتہ سے بڑھ جائے گی، ۴۰/ہزار یہودی خاندان ہتھیار سازی کا کام کرتے ہیں، اوران کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہتھیار سازی کے کارخانے ہیں۔

امریکہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کی تعداد تقریباً برابر ہے، ۶۰/لاکھ مسلمان اگر وہاں آباد ہیں تو اسی کے آس پاس یہودی بھی بستے ہیں بلکہ ادھر کچھ اس بات کے اشارے مل رہے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد آئندہ چند سالوں میں یہودیوں سے کہیں زیادہ آگے جاسکتی ہے، لیکن ذرا غور کیجیے تعداد کی اس برابری کے باوجود امریکی سینٹ (Senate) و کانگریس میں یہودی سنیٹرس (Senators) کی تعداد ۴۶ ہے اور مسلمان؟ سینٹر تو دور کی بات ہے ایک چپراسی کی پوسٹ بھی ان کے پاس نہیں ہے، یہودیوں نے اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے امریکی قانون سازادارہ میں اپنی تعداد ۴۶ پہنچائی، اور ہم نے؟ یہودیوں نے یہودیت کے عنوان سے امریکہ میں کسی سیاسی پارٹی کی تشکیل نہیں کی بلکہ انہوں نے وہاں کی سیاسی پارٹیوں میں شامل ہوکر ان کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کا راستہ اپنایا اور اس میں وہ کامیاب ہوئے ، اس کے برخلاف ہندوستان میں آئے دن کسی نہ کسی مسلم سیاسی پارٹی کے قیام کی جان لیوا خبر سنائی دیتی رہتی ہے اور اس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے اور ہمارے ووٹوں کی تقسیم سے سیکولر پارٹیاں بھی بے اثر ہوجاتی ہیں اور فرقہ پرست پارٹیوں کو فرقہ پرستی کا زہر پھیلانے کا پورا موقع مل جاتا ہے۔

کچھ اور آگے بڑھیے ، سابق امریکی صدر براک اوباما کی الیکشن اسٹریٹجی تیار کرنے اور اس کی انتخابی مہم چلانے والوں میں جو سب سے زیادہ نمایاں نام تھا، وہ ڈیوڈ اسکارڈ کا نام تھا، وہ ایک مہاجر یہودی ہے اور ان مشہور ترین لوگوں میں سے ہے جنھوں نے سیاہ فام امریکی باشندوں اور مہاجر یہودیوں کا اتحاد قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی اور ایک حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے ، کچھ اس طرح کی صورت حال ہندوستان میں بھی ہے، یہاں کی آبادی کے ایک بڑے طبقہ کو جس کی حیثیت سیاہ فام امریکی جیسی ہے، اکثریت کو ساتھ لے کر یہاں کی سیاست پر اثر انداز ہوا جاسکتا ہے، لیکن اس کے لیے سنجیدہ، ٹھوس اور دعوتی طریقہ کار اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

وہائٹ ہاؤس کے ڈائرکٹر جنرل کے طور پر جس شخص کا نام تجویز ہوا، وہ رام انماویل تھا، اس نے وہائٹ ہاؤس کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ امریکی صدر کے ایڈوائزر کے طور پر بھی کام کیا، رام انماویل نہ صرف یہ کہ یہودی بلکہ صہیونی ہے اور وہ ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں اسرائیلی فوج میں بھی شامل رہ چکا ہے۔

اس کے علاوہ نہ جانے کتنے اعلیٰ عہدے ہیں جن پر یہودی قابض ہیں، جن کے پاس نہ اخلاق ہیں نہ کردار، نہ شرم ہے نہ حیا، نہ دعوت ہے نہ پیغام اور نہ کوئی بلند مقصد اور نہ اعلیٰ نصب العین، آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ترقی ، کامیابی، بالادستی، اور اثراندازی کی وجہ ان کا نسلی مکرو فریب، عیاری وجعلسازی، ظلم وسفا کی، بے حیائی وبداخلاقی اور عریانیت وفحاشی کا استعمال ہے، وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر طریقہ اپنا سکتے ہیں خواہ وہ دنیا کے لیے کتنا ہی مہلک اور تباہ کن کیوں نہ ہو، لیکن ہم مسلمان اصولوں اور قدروں کے پابند ہیں، ہمیں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ ہمارا مقصد بھی پاکیزہ ہو اور مقصد حاصل کرنے کا راستہ بھی صحیح ہو۔

آپ کا جواب اپنی جگہ بالکل درست ہے، کیوں کہ یہودی پروٹوکول خود اس بات پر شاہد ہے، دیکھیے وہ اپنے وحشیانہ عزائم کا اظہار کتنی دیدہ دلیری سے کررہا ہے:

''طاقت اور فریب کاری سیاسی میدان میں خصوصی طور پر کارآمد چیزیں ہیں، ان کے ذریعہ دوسروں کو قابو میں کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں طاقت وقوت کا بھرپور استعمال کرنا چاہیے ، سیاسی امور میں طاقت کا استعمال ایک کارگر حربہ ہے، بشرطیکہ اسے ہوشیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ استعمال کیا جائے، جو حکمراں اپنا تخت وتاج کسی نئی طاقت کے ایجنٹوں کے حوالہ نہیں کرنا چاہتے ان کو مکروفریب کے ذریعہ یا خوف وہراس میں مبتلا کرکے یا پھر ضرورت پڑنے پر طاقت کا بھرپور استعمال کرکے اس راہ میں لانے کی کوشش کرنا چاہیے ، دوسروں کو دغا دینے اور بے وقوف بنانے میں بھی کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے، اگرچہ یہ حربے سراسر شر ہیں لیکن اصل مقصد مطلب برآری ہے، اور موثر طریق کار ہے، اگر رشوت، دغا وفریب نیز غداری وبے وفائی کے حربوں سے کامیابی مل سکے تو ان کے استعمال سے قطعاً گریز نہیں کرنا چاہیے، اگر کسی کی جائیداد چھین کر اسے اطاعت و فرمانبرداری پر مجبور کیا جاسکتا ہو اور اقتدار اعلیٰ پر

قبضہ کرنا ممکن ہو تو کسی پس وپیش کے بغیر اس کو کرگذرنا چاہیے، ہم صرف ذرائع اور وسائل کی فراوانی پر ہی بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نظریہ تشدد و بربریت کو بھی بروئے کار لاسکتے ہیں، ہم تمام حکومتوں کو اعلیٰ حکومت (سپر گورنمنٹ) کے تحت لائیں گے، غیر یہودیوں پر اچھی طرح واضح کردیا جانا چاہیے کہ ہم ہر گستاخی اور بے ادبی کا سر کچلنے کو روا سمجھتے ہیں، اور اس معاملہ میں ہم سخت بے رحم ثابت ہوں گے''۔

یہودی پروٹوکول کی تصدیق کے بعد آپ کے جواب میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی لیکن ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ یہودیوں کی ترقی کے پیچھے کچھ اور بھی اسباب ہیں، اور وہ اسباب ہیں جن کے اختیار کرنے پر سب سے زیادہ اسلام نے زور دیا ہے، اور وہ ہے: علم سے شغف اور عقل کا استعمال، لیکن راحت طلبی، آرام پسندی، اور بے مقصد زندگی نے ہم کو علم کے راستہ سے دور رکھا اور اگلی صف سے اٹھا کر پچھلی بلکہ آخری صف میں لاکھڑا کیا، آیئے ایک نمونہ اس کا بھی ملاحظہ کیجیے۔

علی طنطاوی کا نام ہوسکتا ہے کہ آپ کے لیے غیر مانوس ہو، لیکن عالم عربی میں وہ ایک معروف نام ہے، ان کا علمی اور ادبی مقام جو ہے وہ ہے، لیکن تعلیمی اور تدریسی میدان میں بھی وہ وسیع تجربہ اور ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، وہ اپنا واقعہ کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''میں بغداد کے ایک اسکول میں دینیات اور عربی ادب کا استاد تھا، اس اسکول میں کچھ لڑکے یہودی بھی تھے اور وہ سب کے سب اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے، یہاں تک کہ عربی ادب میں بھی پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں پوزیشن یہی یہودی لڑکے حاصل کرتے تھے، اسکول کے پرنسپل کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی، آخر کار مجبور ہوکر انہوں نے ایک دن اس سلسلہ میں مجھ سے بات کی، میں نے جواب دیا کہ میں کیا کرسکتا ہوں؟ ان کی کاپی ہی ایسی ہوتی ہے کہ اس سے کم نمبرات دیے ہی نہیں جاسکتے، میرے اس جواب پر انہوں نے میرے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دینیات کا پرچہ عربی ادب کے پرچہ میں ضم کردیا جائے تو یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے، کیونکہ دینیات میں قرآن کریم کی دو سورتیں اور ان کی تفسیر ہے، اور قرآن کریم کا پرچہ یہودی لڑکے مسلمان عرب لڑکوں کے مقابلہ میں اچھا نہیں کرپائیں گے، اس طرح ان کے نمبرات پر روک لگائی جاسکتی ہے۔

امتحان میں صرف دو ہفتے باقی تھے اور مجھے اندیشہ تھا کہ اس اچانک اعلان پر وہ احتجاج کرسکتے ہیں، اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ اتنی کم مدت میں اتنے اہم مضمون کی تیاری کیسے ممکن ہے؟ لیکن میرا یہ خدشہ غلط ثابت ہوا، امتحان کا اعلان ہوا، لیکن نہ احتجاج ہوا اور نہ رعایت کا کوئی مطالبہ۔

امتحان ہوا، کاپیاں جانچی گئیں، نتیجہ کا اعلان ہوا اور نتیجہ حسب سابق رہا، وہی پانچوں یہودی طلبہ اپنی اپنی پوزیشن پر براجمان تھے، میں اپنا سر پکڑ کر رہ گیا، ان کو روکنے کی یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی، میرے منھ سے صرف یہی نکلا: إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، آگے بڑھنے والوں کو کوئی روک نہیں سکتا اور پیچھے ہٹنے والوں کو کوئی آگے نہیں بڑھا سکتا''۔

بے شک اس ملک کو ہم نے سنوارا ہے، برسہا برس ہمارے نام کا اس میں سکہ چلا ہے، فیصلے ہمارے اشاروں پر ہوتے تھے، دربار ہمارے لیے سجتے تھے، مسند ہمارے لیے بچھتی تھی، نقارہ ہماری آمد پر بجتا تھا، ہماری خوشی ضمانت تھی لوگوں کے عروج کی اور ہماری ناراضگی سبب بنتی تھی لوگوں کے زوال کی، پھر حالات بگڑے، دور آیا انگریزوں کا، ایک وجہ اس کی ہماری سدھائی، کمزوری، غفلت، راحت طلبی اور عیش پرستی تھی، دوسری وجہ اس کی انگریزوں کی سازش، منصوبہ بندی، عیاری اور فوجی برتری تھی، بہرحال غلامی کے سایہ نے اس ملک کے ہر شہری کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، لیکن پھر ہماری کوششیں رنگ لائیں اور ہماری قربانیوں نے اپنا اثر دکھایا، حالات نے کروٹ لی اور غلامی کے یہ بادل چھٹے اور آزادی کا سورج کا اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوا۔

بات سوچنے کی یہ ہے کہ دور اقتدار میں بھی ہم اقلیت میں تھے، دور غلامی میں بھی اقلیت میں رہے، اور آزادی کے بعد بھی اقلیت میں ہیں، نتیجہ اس بات سے یہی نکلتا ہے کہ تعداد سے کچھ نہیں ہوتا، جو کچھ ہوتا ہے وہ محنت سے ہوتا ہے، لگن سے ہوتا ہے، جذبہ سے ہوتا ہے، اخلاص سے ہوتا ہے، اتحاد سے ہوتا ہے، اور حکمت سے ہوتا ہے، آج اس ملک میں ہم کو انہی چیزوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، یہی ہماری کامیابی اور ترقی کا راستہ ہے، اقلیت کو ہمیشہ اکثریت کے مقابلہ میں تعداد کے فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے محنت کرنا پڑتی ہے، اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے، تب جاکر وہ اقلیت اکثریت کے سامنے اپنا سر بلند رکھنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

یہ بات ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے اور تناسب کے اس فرق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے لیے ایک لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے، یہودیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے، ضرورت صرف سبق لینے کی ہے۔

☆☆☆☆☆

زبان وادب

مولانا دریابادیؒ بحیثیت ادیب وناقد مختصر جائزہ

نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (۱۶/مارچ ۱۸۹۲ء- ۶/جنوری ۱۹۷۷ء) کی پیدایش اس دور میں ہوئی جواپنی عقلیت پسندی کے لیےمشہور تھا۔وہ بھی اس فضا سے متاثر ہوئے اور تشکیک و ارتیاب کے میدان میں مدتوں سراب گردی کرتے رہے۔لیکن انہوں نے بالآخر اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی۔اس کے بعد وہ ایک مصلح اور معلم اخلاق کے روپ میں نمایاں ہوئے۔انہوں نے اپنے اخلاقی صحیفوں ہفتہ وار''سچ''،''صدق''اور''صدق جدید'' کے ذریعےملت کی اصلاح کا کام انجام دیا۔ان کی تحریروں میں سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ادب کی ہرصنف میں ان کی اسلامیت پوری تابندگی سے بےدار ہے۔تفسیراورسیرت نبوی توخالص دینی موضوعات ہیں، تنقید وتبصرے میں بھی ان کا یہ وصف خاص طور پرنمایاں ہے۔

بحیثیت ادیب

مولانادریابادیؒ ادب کے سلسلے میں ادب برائے ادب نہیں برائے اصلاح کے قائل تھے۔وہ تحریر کرتے ہیں:

''صحافت برائے صحافت کی طرح تصنیف برائے تصنیف بھی بحمداللہ اپنا مقصد کبھی نہ رہا۔ہر دور میں وہی لکھا جو اپنے خیال وعقیدے مطابق تھا۔قلم سے وہی ٹپکا، وہی چھلکا جو دل ودماغ کے اندر موجود تھا''۔[آپ بیتی،ص ۲۸۲]

مولانا دریابادیؒ نے بہ توفیق الٰہی خوب لکھا اوراس طرح لکھا کہ مثنوی مولانا رومؒ کا یہ شعر ذرا سی لفظی ترمیم ''درمنا جاتم'' کی جگہ ''درمقالاتم'' کے بعد ان کے حال کا غماز ہے:

در جگر افتادہ ہستم صد شرر
در مقالاتم بہ بیں خون جگر

(میرے جگر میں صد ہا چنگاریاں دبی ہوئی ہیں اور میرے مقالات کو دیکھو ان سے خون جگر ٹپکتا ہوا ملے گا)۔

مولانا دریابادیؒ تصنیف وتالیف کے سلسلے میں چند اہم اور بنیادی اصول تحریر کرتے ہیں:

''تصنیف وتالیف جب خود ایک مستقل آرٹ ٹھہرا تو آرٹسٹ یا فن کار کے لیے لازم ہے کہ اسے ناظرین با تمکین کی طبیعت پر، جبلت پر، نفسیت پر پورا عبور حاصل ہو۔عبارت دقیق ہو، ثقیل نہ ہو۔سلیس ہو، سپاٹ نہ ہو۔سنجیدہ ہو، خشک نہ ہو۔عام فہم ہو، عامیانہ نہ ہو۔لطیف ہو، رکیک نہ ہو۔ٹھوس ہو،ٹھس نہ ہو۔فکر انگیز ہو،مگر بور کرنے والی نہ ہو۔ پرزور ہو،مگر پُرشور نہ ہو''۔ [ملاحظہ ہو:ص ۲۹۱،انشائے ماجد]

مولانا دریابادیؒ کی ادبی وانشائی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ کے سابق مدیر،مشہور ادیب ومورخ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (متوفی ۱۹۷۴ء) رقم طراز ہیں:

''اردو زبان وادب میں مولانا کی حیثیت امام ومجتہد کی ہے،ان کا فطری ذوق ادب وانشا ہے اور وہ ان کی طبیعت میں اتنا رچا اور بسا ہوا ہے کہ ان کی کوئی تحریر بھی اس سے خالی نہیں ہوتی،عطر کسی چیز کا بھی ہو اس کی زمین ہمیشہ چنبیلی کے پھولوں کی ہوگی،اسی طرح مولانا کی خالص مذہبی،تبلیغی اور اصلاحی تحریریں بھی ادب میں بسی رہتی ہیں، اور عروس ادب کا جمال ''حجاب شرعی'' میں بھی نہیں چھپتا،مگر اس کا اصلی کمال ادبی مضامین میں نظر آتا ہے اور یہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان وادب کا یہ ذوق اقلیم ادب پر حکم رانی، زبان کا یہ لطف اورادب وانشا کی یہ لطافتیں اب کہنہ مشق ادیبوں میں بھی خال خال نظر آتی ہیں''۔[تبصرہ بر ''انشائے ماجد'' حصہ دوم مشمولہ ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ،بابت ماہ جون ۱۹۶۲ء،عدد ۶،جلد ۸۹]

شاہ صاحب اپنے مضمون ''مولانا کے دو ادبی شاہ کار'' میں مولانا دریابادی کی ادبی حیثیت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

''مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی قلمی فتوحات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔فلسفہ ومعقولات سے لے کر مذہب وتصوف اورادب تک مختلف اصناف میں ان کے بلند پایہ مضامین اور مختلف تصانیف موجود ہیں،لیکن وہ اصلاً ادیب ہیں اور ان میں ادب وانشا کا ذوق اتنا رچا اور بسا ہوا ہے کہ ان کا امتیازی وصف بن گیا ہے جس سے ان کی مذہبی اور فلسفیانہ تصانیف بھی خالی نہیں۔زبان و ادب کے ہر پہلو پر ان کو حکم رانی بلکہ صاحب قرانی حاصل ہے اور یہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے پرانے کلاسیکی ادب میں جو خصوصیات الگ الگ پائی جاتی تھیں،وہ مولانا میں یک جا نظر آتی ہیں۔سنجیدہ علمی ادب، لطف زبان، روزمرہ، طنزو ظرافت اورضلع جگت سب پر ان کے قلم کی حکم رانی یکساں ہے۔اس لحاظ سے وہ اس دور کے سب سے بڑے ادیب ہیں''۔[ملاحظہ ہو،ص:۱۳۳،ماہ نامہ فروغ اردو لکھنؤ مولانا عبدالماجد دریابادی

نمبر۔اگست تا اکتوبر ۱۹۷۱ء]

بے لاگ مبصر،مشہور صحافی اور ادیب ماہر القادری (متوفی ۱۹۷۸ء) سابق مدیر ماہ نامہ فاران کراچی مولانا دریابادی کی ادبی حیثیت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''علم وادب میں مولانا موصوف کی متعدد حیثیتیں ہیں۔وہ فلسفی ہیں،معلم اخلاق ہیں،مترجم ہیں،مصنف ہیں،تنقید نگار ہیں،مفسر اور مبلغ ہیں اور اپنے دور کے سب سے بڑے ''طنّاز'' ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب طرز ادیب ہیں، ان کی تحریریں انشا پردازی سکھاتی ہیں۔''ادب عالیہ'' کی تعریف ان کی تحریروں پر صادق آتی ہے۔زبان،ادب اور اخلاق،غرض ہر اعتبار سے وہ مصلح انشاپرداز اور معمار ادب ہیں۔

میں اس کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہ کی کتابوں اور تحریروں سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے اور ان کی خوشہ چینی کی ہے''۔[ص:۱۷۷،۱۸۰حوالہ سابق]

معروف مزاح نگار احمد جمال پاشا (متوفی ۱۹۸۷ء) سابق نائب مدیر روزنامہ قومی آواز لکھنؤ مولانا کی انشا اور اسلوب کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''صاحب ''صدق'' کا نثری اسلوب موضوع کے عین مطابق ہوتا ہے۔اپنی مذہبی، دینی تحریروں اور تفسیر القرآن میں ان کا انداز عالمانہ، وقیع اور پرشکوہ ہوتا ہے، لیکن سادگی اور سلاست کے ساتھ۔عالمانہ،فلسفیانہ اور تحقیقی مضامین میں وہ ایک عالم،ایک فلسفی یا ایک محقق کی شان تصنیف برقرار رکھتے ہیں۔اپنی ادبی اور صحافتی تحریروں میں وہ سادگی اور سلاست سے کام لیتے ہیں۔ان کے نپے تلے جچے، چھوٹے چھوٹے جملے، برجستہ فقرے، محاورے،اشعار اور مصرعے،تراکیب، بولتے ہوئے رواں دواں الفاظ۔پھر الفاظ بھی کیسے، کہ جو لفظ جہاں رکھ دیا، ہٹائے نہیں ہٹ سکتا۔انگشتری میں نگینے کی طرح اپنی جگہ چمکتا ہے۔ان کی نثر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عبارت چست اور متحرک ہوتی ہے۔جامد اور بے جان نثر،ڈھیلی ڈھالی اور پھیکی تحریر کا اس بستان ادب میں گزر نہیں۔یہاں شوخی وتازگی ہے، تراوٹ اور جدت ہے۔ندرت اور ایجاز ہے،طباعی ہے،حکیمانہ اپج ہے۔سرخی ایسی جمائی جاتی ہے کہ طبیعت پھڑک اٹھے،چٹکی ایسی ہوتی ہے کہ بے اختیار تڑپنے والے کے منھ سے واہ! واہ! سبحان اللہ! نکل جائے''۔[حوالہ سابق،ص:۱۶۰]

زیر نظر مضمون میں مولانا دریابادیؒ کی ادبی تحریروں کے چند نمونے پیش ہیں:

اللہ تعالیٰ کے بے شمار بندے حج کرنے جاتے ہیں۔مولانا دریابادیؒ نے بھی توفیق ایزدی سے حج کیا۔اس حج کا سفرنامہ جو''سفر حجاز'' کے نام سے شائع ہوا اپنی خصوصیات ومحاسن کے اعتبار سے انشائے ماجد کا بہترین نمونہ ہے۔مولاناؒ نے اس کے دیباچہ میں لکھا ہے :

''کعبہ کی تجلیات ربوبیت آج بھی وہی ، مدینہ کے انوار رسالت آج بھی وہی، بندوں کے سروں میں سودائے عبدیت وہی،افراد امت کے دلوں میں ہوائے شوق وہی۔کتاب اصلاً نمونہ ٹھہری خوشی وتاثرات کا۔''

خشیت الٰہی اور گناہوں کے احساس نے حج کے اس ماجدی سفرنامہ میں ایک انوکھی تاثیر پیدا کردی ہے۔ پڑھتے جایے اور آپ کو محسوس ہوتا جائے گا کہ لکھنے والا رحمت خداوندی کی طلب میں کس قدر بے چین ہے۔مولانا تحریر کرتے ہیں :

''شان کریمی کے حوصلے دیکھنا کیسے نامہ سیاہ کو نوازا جارہا ہے۔کس ننگ خلائق کو سرفراز کیا جارہا ہے...............مولیٰ ہر بے کس کی لاج تیرے ہاتھ میں ہے! ہر مفلس کا آسرا تیرا ہی دست کرم ہے،تو اپنے در سے محروم نہ واپس کرنا......بیت کے ساتھ رب البیت کے انوار جمال کی بھی جھلک اپنے ظرف وبساط کے لائق نصیب ہو!مُر دوں کو جلانے والے مالک! مایوسوں کو خوش خبری دینے والے مولیٰ! بےکسوں کی دستگیری کرنے والے آقا! دلوں کے زخم پر مرہم رکھنے والے پروردگار! تجھ سے بھاگا ہوا تیرا نافرمان غلام تیرے اور تیرے حبیبؐ کے آستانہ پاک پر سر رکھنے کو حاضر ہورہا ہے۔دعاؤں کا قبول کرنا تیرے ہی ہاتھ ہے اور دعاؤں کی توفیق دینا بھی تیرے ہی ہاتھ میں۔''

مولانا دریابادیؒ کی سیرت نگاری کا ایک نمونہ۔ یہ اقتباس ان کی کتاب ''ذکر رسولؐ'' سے لیا گیا ہے۔

''مکہ کے بے کس وبے کس یتیم ، غار حرا میں مراقبہ کرنے والے گوشہ نشین! دیکھ لی تیرے مرتبے کی بلندی دیکھ لی۔ تیری شان محبوبیت کا نظارہ کرلیا۔خادموں اور غلاموں ہی نے نہیں،منکروں اور حاسدوں، بدباطنوں اور کورچشموں تک نے تیرے آفتاب اقبال کی چمک دیکھ لی۔ جو تجھ سے ٹکرایا مٹادیا گیا،توڑ دیا گیا، پاش پاش کردیا گیا۔جو تیرے سامنے جھکا نوازا گیا،سرفراز ہوا اور اپنی مراد کو پہنچا۔ابوجہل اور فرزند خطاب دونوں تیرے حق میں یکساں تھے۔ابوجہل نے تجھ سے دشمنی کی، اپنے آپ سے دشمنی کرلی۔عقل ودانش، نیک نامی و اقبال مندی،آفتاب وماہتاب، زمین وآسمان سب اس کے دشمن ہوگئے۔فرزند خطاب نے اپنا سر تیرے آگے جھکا دیا سب اس کے آگے جھک گئے۔خزانے جھکے،فوج ولشکر جھکے،اقبال وحشم جھکا، ناموری واقبال مندی جھکی،شام وایران،مصر وعراق کے تخت وتاج جھکے،ایک عالم کا عالم صولت فاروقی

کے آگے جھک گیا۔[صفحہ ۸۴]

مولانا دریابادیؒ نے ''حکیم الامت-نقوش و تاثرات'' اور ''محمد علی-ذاتی ڈائری کے چند ورق'' کے نام سے دو کتابیں لکھ کر اردو کے سوانحی ادب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

ایک اقتباس ''حکیم الامت-نقوش وتاثرات'' سے، جو رقت آفرینی اور حسرت سامانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہ موقع ہے مسترشد دریابادیؒ کا مرشد تھانویؒ کے مزار پر حاضری کا:

''تھانہ بھون کی حاضری اس ۱۵ برس کے عرصہ میں خدا جانے کتنی بار ہو چکی تھی۔ آج کا سفر ان سارے سفروں سے کتنا مختلف تھا! ہر بار کتنا اشتیاق ہوتا تھا، کیسا قوی اور کامل یقین کہ دکان کھلی ہوئی ہے مطب گرم ہے، جاتے اور پہنچتے ہی مرہم شفا ہاتھ میں ہوگا۔ ہر درد کی دوا، ہر فکر و غم سے تشفی! آج رت بدلی ہوئی تھی، آج قسمت پلٹی ہوئی تھی۔ دکان بند، مطب اجاڑ، شفا کے بجائے حسرت شفا! دوا کی جگہ دوا کی یاد! مکین کے عوض صرف مکان!......خوش گوار یادوں کا محفوظ رہ جانا بھی اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے!

۱۵ برس کا خوب جانا پہچانا ہوا، پچاسوں بار کا چڑھا اترا ہوا اسٹیشن آج کچھ اجنبی سا تھا۔ ہر بار حضرت کا کوئی خادم اسٹیشن پر عزت افزائی کے لیے موجود ہوتا تھا اور ایک آدھ بار تو حضرت نے کرم کی حد کر دی تھی کہ بہ نفس نفیس تشریف لے آئے تھے۔ آج یہ سب خواب وخیال تھا۔ اسٹیشن سے مزار کا فاصلہ ہی کتنا، پورے دو فرلانگ بھی تو نہیں۔ اور مزار؟ آہ مزار! نہ کوئی بلند گنبد، نہ کوئی کلس دار قبہ، نہ چار دیواری، نہ ''آستانہ'' نہ جنگلہ، نہ کٹہرا۔ ایک اوسط درجے کی وسعت کا باغ۔ ایک سمت میں ایک مختصر پر فضا عمارت۔ وسط باغ میں چند گز مربع کا ایک مسطح تختہ اور وہی اللہ کے اس شیر کی خواب گاہ! نہ شامیانہ نہ چھت، صرف آسمان کی کھلی ہوئی چھت کے نیچے ایک نیچی سی کچی تربت! سادگی کی تصویر، صاحب قبر کی بے نفسی کا آئینہ! نہ لوح نہ کتبہ، نہ پھول نہ چادر۔ چند قدم کے فاصلے پر وصل بلگرامی مرحوم اور دوسرے مخلصین پیشوائی کے شوق میں پہلے ہی سے پہنچے ہوئے۔ شیخ کی قبر ان قبروں سے بھی پست!''......[صفحہ ۶۱۱]

سوانح نگاری کے باب میں مولانا دریابادیؒ کی دوسری لائق رشک علمی کاوش ''محمد علی-ذاتی ڈائری کے چند ورق'' سے ایک اقتباس :

''شب برأت ایک خیر و برکت والی رات ہے۔ کسے خبر تھی کہ شب، شب قیامت یا نمونۂ شب قیامت بھی بن سکتی ہے۔ مسلمان تو اس رات کو جاگ جاگ کر گزارتے ہیں۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اب کی اسی رات کو ان کا نصیبہ سلا دیا جائے گا۔ زندگیاں مانگتے ہیں، صحت کے لیے گڑگڑاتے ہیں، کسے خیال تھا کہ عین اس وقت اسے اٹھا لیا جائے گا جس کے وجود سے ملت اسلامیہ کا وجود تھا۔ جس کی زندگی ساری قوم کی زندگی تھی، اور جس کی موت اللہ کا نام جپنے والوں کی موت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں کی موت ہے۔ اس پچھلے زمانے میں مسلمانوں پر کیا کیا نہیں گزری۔ کیسے کیسے اکابر اٹھا لیے گئے۔ ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر کیا کچھ جھیلنا نہیں پڑا۔ انگریزوں نے رگیدا، ہندوؤں نے دبایا، ترکوں پر ''اتحادیوں'' کا نرغہ ہوا، شریف نے بغاوت کی، مدینہ کی بستی تباہ ہوئی، مکہ لٹا، خلافت مٹی، افغانستان تہ و بالا ہوا، عراق میں خاک اڑی، مصر کا سردار اٹھ گیا، شام میں آسمان رویا، فلسطین میں زمین تھرائی، یہ سب کچھ ہوا اور ہوتا رہا۔ ایک محمد علی کا دم ہر زخم کے لیے مرہم تھا۔ ہر تازہ صدمے کے وقت دل کو ذرا تسکین ہوتی تھی تو اس خیال سے کہ کچھ بھی چلا جائے محمد علی تو ہم میں موجود ہے۔ آہ! شعبان ۱۳۴۹ھ کی شب مبارک کو یہ آخری سہارا بھی چھن گیا۔ اور جس پاک و بے نیاز نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ منادی کر دی تھی کہ: "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَاِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلىٰ أعقابِكُمْ" اس کے فرشتوں نے بندوں تک محمدؐ کے ایک وفادار غلام محمد علی کے لیے بھی یہی صدا پہنچا دی''۔ [صفحہ ۵۶۴-۵۶۵]

دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلبائے قدیم کے سالانہ جلسے میں مولانا نے جو خطبہ دیا وہ ''ندوۃ العلماء کا پیام فرزندان دار العلوم'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''رحمتیں اس مکان کے در و دیوار پر۔ رحمتیں اس چمن کے صحن و سبزہ زار پر۔ رحمت ان پر جنہوں نے اس رحمت و سلامتی کی یہ سبیل لگا دی۔ رحمت اس کے پینے والوں پر، رحمت اس کے پلانے والوں پر، رحمت جوانان جرعہ نوش پر، رحمت پیران مے فروش پر!''۔[صفحہ ۷]

نواب مرزا شوق لکھنوی کی مثنوی ''زہر عشق'' پر تبصرہ کا اختتام یوں کرتے ہیں :

''مشرق کے بدنام سخن گو، اردو کے بدنام شاعر رخصت! تو درد بھرا دل رکھتا تھا تیری یاد بھی درد والوں کے دلوں میں زندہ رہے گی، تو نے موت کو یاد رکھا، تیرے نام پر بھی موت نہ آنے پائے گی۔ تو نے غفلتوں اور سرمستیوں کی داستان کو خوب پھیلایا، شاید کسی کی رحمت بے حساب پر تکیہ کر کے۔ لیکن انہی غافلوں اور سرمستوں کو موت و انجام کی یاد دلا کر بھی خوب رلایا۔ کسی کی عظمت بے پایاں کا خوف

کرکے۔ عجب کیا کہ خدائے آمرزگار، اس عالم کا ستار اور اس عالم کا غفار تیری خطاؤں اور لغزشوں کو اپنے دامن عفو ومغفرت کے سائے میں لے لے اور تیرے کلام کے درد وعبرت، تیرے بیان کے سوز و گداز کا اجر بھی تجھے عطا کرے۔ اپنی ہی رحمت بے نہایت کی مناسبت سے، اپنے ہی کرم بے حساب کے حساب سے!"۔[انشائے ماجد، صفحہ ۱۳۹]

مشہور ادیب مولانا ابوالکلام آزادؒ کے سلسلے میں لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے نشر اپنی تقریر میں مولانا دریابادیؒ نے ان کو درج ذیل الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:

"ادب عالیہ یا کلاسکس کی اصطلاح تو اردو میں بعد کو چلی ہے۔ باقی یہ کلاسکل یا عالی قدر ادب تو مولانا کا جیسے حصہ تھا۔ ان کے قلم کا شروع ہی سے ایک امتیازی خاصہ تھا۔

تیور مردانہ، لہجہ شریفانہ، ترکیبوں میں جزالت، الفاظ میں جلالت، تشبیہوں میں جدت، استعاروں میں ندرت، خیال میں بلندی، بیان میں صفائی، مطالب فکر انگیز، اسلوب ولولہ خیز، نثر ہر جگہ ادیبانہ، کہیں خطیبانہ، خطابت کا مزاج شاہانہ، عبارت کی سطح کہیں حکیمانہ، کہیں حاکمانہ، حکمت کی جگہ حکمت، ظرافت کی جگہ ظرافت، حکایت غم و حزن ہو یا داستان سرور ونشاط، لطافت وشادابی سطر سطر سے عیاں اور آمد اور بے ساختہ پن لفظ لفظ سے نمایاں ۔ مطالعہ میں گہرائی، مشاہدہ میں گیرائی، بات میں بات پیدا کرنے کا وہ سلیقہ اور معمولی جزئیات سے دور رس نتائج نکالنے کا وہ ملکہ کہ دھوکہ حضرت رومیؒ کی مثنوی کے دفتروں کا ہونے لگے"۔[نشریات ماجد، جلد دوم، صفحہ ۱۷]

(جاری)

☆☆☆☆☆

مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

راقم سطور نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مکتوبات کے جمع و ترتیب کا کام حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ان کے علم میں لاکر شروع کیا تھا، اب الحمد للہ مکتوبات کی پانچ جلدیں طبع ہوکر مقبول خاص وعام ہورہی ہیں، جلد ششم زیر طبع ہے اور جلد ہفتم کا کام ہورہا ہے۔
ان تمام حضرات سے درخواست ہے جن کے پاس حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات ہیں، چاہے ان کے نام ہوں، یا ان کے بڑوں کے نام ہوں، وہ ان مکتوبات کو ارسال فرمادیں، اگر اصل خطوط بھیجے جائیں گے تو ان کی نقل کرکے کتب خانہ علامہ شبلی نعمانیؒ میں محفوظ کردیا جائے گا، اگر اصل خطوط نہ بھیجنا چاہیں تو ان کی فوٹو کاپی ارسال فرمادیں تاکہ آئندہ جلدوں میں وہ شامل کیے جاسکیں اور یہ قیمتی ذخیرہ محفوظ ہوجائے۔

محمد حمزہ حسنی ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنو

موبائل نمبر: 9838154415, 9453949221
E-mail: waseeqnadvi@gmail.com

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی دیدہ زیب طباعت

مکتوبات			
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	اول	مرتب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	250/-
〃 〃 〃 〃 〃	دوم	〃 〃 〃	350/-
〃 〃 〃 〃 〃	سوم	〃 〃 〃	300/-
〃 〃 〃 〃 〃	چہارم	〃 〃 〃	400/-
〃 〃 〃 〃 〃	پنجم	〃 〃 〃	350/-
		کل میزان	1650/-
		مصارف مع ڈاک خرچ	1000/-

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
فون نمبر:0522-2741539، موبائل نمبر:9889378176
ای میل:info@airp.org.in
ACOUNT N0: 10863759700
Academy of Islmic Research & Publication
State Bank of India, Main Branch, Lucknow (U.P)

رحمت وبرکت

ماہِ شعبان المعظم کی اہمیت وفضیلت

مولانا محمد طارق نعمان

اسلامی مہینوں کے اعتبار سے آٹھواں مہینہ شعبان المعظم کہلاتا ہے، یہ مہینہ عبادت ومغفرت کا ہوتا ہے، اسی مہینہ میں گناہگار اپنے دامن کو رحمت خداوندی سے بھر سکتے ہیں۔

شعبان تشعب سے ہے جس کے معنیٰ تفریق یعنی پھسلانا اور شاخ در شاخ ہونا ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس مہینہ کا نام شعبان اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں روزہ رکھنے والے کو شاخ در شاخ بڑھنے والی خیر وبرکت میسر ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

بعض کا کہنا ہے کہ شعبان شعب سے ہے یعنی وہ راستہ جو پہاڑ کو جاتا ہو، اسے شعب کہتے ہیں ظاہر بات ہے کہ ایسا راستہ ہمیں بلندی پہ لے جاتا ہے اور شعبان بھی وہ پاکیزہ مہینہ ہے جو ہمیں روحانیت کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے، شعبان کا لغوی معنیٰ جمع کرنا اور متفرق کرنا دونوں آتا ہے۔

فضائل شعبان بزبانِ خیر الانامؐ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رجب میرا مہینہ ہے، شعبان خدا کا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شعبان کی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسے تمام انبیاء کرام پہ میری فضیلت ہے اور دوسرے مہینوں پہ رمضان کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کائنات پر اللہ تعالیٰ کی فضیلت، ایک اور روایت میں ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رجب اور رمضان کے درمیان شعبان ایک ایسا مہینہ ہے جس کے فضائل کا لوگوں کو علم نہیں، فرمایا: اس مہینے لوگوں کے اعمال اللہ تک پہنچائے جاتے ہیں۔

آبپاشی کا مہینہ

حضرت صفوریؒ فرماتے ہیں کہ رجب المرجب بیج بونے کا، شعبان المعظم آبپاشی کا، اور رمضان المبارک فصل کاٹنے کا مہینہ ہے لہٰذا جو رجب المرجب میں عبادت کا بیج نہیں بوتا اور شعبان المعظم میں آنسوؤں سے سیراب نہیں کرتا وہ رمضان المبارک میں فصلِ رحمت کیوں کر کاٹ سکے گا؟ مزید فرماتے ہیں رجب المرجب جسم کو، شعبان المعظم دل کو اور رمضان المبارک روح کو پاک کرتا ہے۔ [نزہۃ المجالس]

شعبان المعظم میں پیش آنے والے اہم واقعات

اس مبارک مہینہ کی ۵/تاریخ کو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کے نورِ نظر سید الشہداء سیدنا حضرت امام حسینؓ کی ولادت ہوئی۔

اسی مبارک مہینہ میں مسجد ضرار کو نذرِ آتش کیا گیا۔

اسی مبارک مہینہ میں جھوٹا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب واصلِ جہنم ہوا۔

اسی مبارک مہینہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت صفیہؓ سے نکاح فرمایا۔

اسی مبارک مہینہ میں تحویلِ کعبہ کا حکم نازل ہوا۔

اسی مبارک مہینہ میں قرآنِ مجید کے نزول کا فیصلہ ہوا۔

اس مبارک مہینہ کی ۱۶-۱۵ درمیانی شب شبِ برأت کہلاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پہ نزول فرماتے ہیں۔

شعبان المعظم کو فضیلت واہمیت اسی شب کی وجہ سے حاصل ہے برأت کے معنیٰ چھٹکارا و نجات حاصل کرنے کے ہیں، اگر یوں بھی کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ یہ شب شبِ نجات ہے جس میں ہم جیسے گناہگاروں کو بھی بری کیا جاتا ہے اور بخشش و عام معافی کا اعلان بھی کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے علماء نے اسے اور کئی نام بھی دیے ہیں، مثلاً: لیلۃ الکفر (گناہوں سے رہائی پانے والی رات) لیلۃ المغفرۃ (بخشش والی رات) لیلۃ الشفاعۃ (شفاعت والی رات)۔

رات کا قیام اور خیر الانامؐ

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں آرام فرما تھے، رات کے کسی حصے میں میری آنکھ کھلی تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرے میں موجود نہ پایا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی، تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں تلاش کیا، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں جنت البقیع میں پہنچ گئی، میں نے دیکھا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے اپنی امت کی بخشش کی دعا مانگ رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ عائشہ! تجھے معلوم ہے کہ آج کونسی رات ہے؟

آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج شب برأت ہے، یہ اتنی رحمتوں اور برکتوں والی رات ہے جس میں مولائے کریم اپنی شانِ کریمی کے صدقے بنوکلب قبیلے کی بھیڑوں اور بکریوں کے بالوں کے برابر گناہگاروں کو بخش دیتے ہیں، قبیلہ کلب کے پاس جو بھیڑیں بکریاں تھیں، وہ اس وقت سارے عرب قبائل کی بھیڑوں بکریوں کی تعداد سے کہیں زیادہ تھیں۔

رب کی رحمت سے دخول جنت

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جانتی ہے کہ یہ رات کیسی ہے؟ یعنی نصف شعبان کی رات؟ میں نے کہا یارسول اللہ !اس میں کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: اولاد آدم میں سے اس سال میں جو بچہ پیدا ہونے والا ہو، اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے اور سال بھر میں جتنے انسان مرنے والے ہوتے ہیں، ان کا نام لکھ دیا جاتا ہے اور اس میں بندوں کے اعمال اُٹھائے جاتے ہیں اور اس رات میں بندوں کے رزق نازل کیے جاتے ہیں، میں نے کہا یارسول اللہ ! کیا کوئی شخص جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا؟ ارشاد فرمایا کہ نہیں! کوئی شخص بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہوگا، تین مرتبہ فرمایا، میں نے کہا یارسول اللہ! آپ بھی نہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ اپنے سر پہ رکھا اور فرمایا: ''میں بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ مجھ کو ڈھانپ لیں''، یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔[مشکوٰۃ شریف]

رحمت کے خزانے، بخشش کے بہانے

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو اس رات کو قیام کرو، اور دن کو روزہ رکھو، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت آفتاب کے غروب ہوتے ہی آسمانِ دنیا پر ظاہر ہوتی ہے اور اس کی رحمت سارے عالم میں پھیل جاتی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس رات اپنے بندوں کو پکارتے ہیں:

ہے کوئی بخشش، مغفرت طلب کرنے والا؟ کہ میں اسے بخش دوں۔

ہے کوئی مصیبت زدہ؟ کہ میں اسے مشکلات سے آزاد کردوں۔

ہے کوئی اپنی کسی خواہش، حاجت والا؟ کہ میں اس کی حاجت اور مراد کو پوری کردوں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس شب کو قیام بھی فرمایا کرتے تھے اور اگلے دن روزے کا بھی اہتمام کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بیشک اللہ تعالیٰ جھانکتے ہیں نصف شعبان کی رات میں، پس مغفرت فرمادیتے ہیں اپنی تمام مخلوق کی، مگر مشرک کی، یا کینہ رکھنے والے کی بخشش نہیں فرماتے۔[مشکوٰۃ شریف]

ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی ۱۳/تاریخ کو اپنی امت کی شفاعت کی دعا فرمائی تو اس دعا کو شرف قبولیت اس طرح نصیب ہوا کہ اس دعا کو تہائی ملی، پھر ۱۴/شعبان کو دعا کی تو دو تہائی عطا ہوا، ۱۵/شعبان کو رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو امت کی بخشش اور مغفرت کے لیے وہ سب کچھ عطا ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خالق و مالک سے مانگا تھا۔

شعبان المعظم برکتوں والا

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مہینے متواتر روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا مگر رمضان اور شعبان میں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس ماہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت روزے رکھا کرتے تھے، صحابہ کرامؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ ان دو مہینوں یعنی رمضان اور شعبان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اہتمام کے ساتھ روزے رکھا کرتے تھے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ شعبان میں کثرت سے روزے کیوں رکھا کرتے تھے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسامہ! یہ بہت ہی مبارک مہینہ ہے، رجب المرجب اور رمضان المبارک کے درمیان واقع ہے جس سے لوگ غافل ہیں، اس مہینے میں انسانوں کے اعمال کو رب العزت کے حضور پیش کیا جاتا ہے، لہٰذا میں نے اس ماہ کو زیادہ محبوب رکھا ہے، میرے اعمال بھی میرے پروردگار کے سامنے پیش ہوئے تو اس حال میں مجھے روزہ سے ہونا چاہیے، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اس مبارک مہینہ اور مبارک رات میں اپنے رب کو منالیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک ماہ اور مبارک رات میں اپنی رحمتوں اور مہربانیوں سے خوب لطف اندوز ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ایک شخص نے اپنے مکان کا ایک حصہ اپنے ایک بیٹے کو دیدیا اور مالکانہ حیثیت دے کر بیٹے کے قبضہ میں دیدیا اور بیٹا ایک مدت سے اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ مکان میں رہ رہے ہیں، باپ کو کسی بات پر ناراضگی ہوئی تو وہ مکان خالی کرانے پر بضد ہیں اور مکان واپس لینا چاہتے ہیں، کیا شرع اسلامی میں انہیں مکان واپس لینے کا حق حاصل ہے؟ اس مکان پر ابھی ملکیت شرعاً کن کی ہے؟ باپ کی یا بیٹے کی؟

جواب: والد نے جب مکان کا کوئی حصہ بیٹے کو ہبہ کردیا اور اپنی ملک وقبضہ سے خارج کر کے بیٹے کی ملک میں قبضہ میں دیدیا تو یہ ہبہ مکمل اور نافذ ہوگیا، اب والد کو واپس لینے کا حق نہیں ہے، البتہ بیٹے پر واجب ہے کہ اپنے باپ کی ناراضگی کو دور کرے اور معافی تلافی کر کے اپنا معاملہ درست کرے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ذورحم محرم کو ہبہ کرنے کے بعد لوٹانے کا حق نہیں ہے: ولا یرجع فی الهبة من المحارم بالقرابة کالآباء والأمهات وان علوا والأولاد وان سفلوا۔

[فتاوی ہندیہ: ج۴/ص۳۸۷]

سوال: ایک شخص کے بیٹے کا انتقال ہوگیا اس کے بعد اس شخص نے اپنا حصہ جو بیٹے کے ترکہ سے اسکو ملنا چاہیے تھا اپنے مرحوم بیٹے کے بچوں کو زبانی ہبہ کردیا اور اپنے عزیزوں کے سامنے اس کا اظہار بھی کردیا، چنانچہ ان بچوں نے اس کو اپنے قبضہ وتصرف میں رکھا، عرصہ گذرنے کے بعد شخص مذکور کا مطالبہ ہو رہا ہے کہ میرا حق مجھ کو واپس کرو، سوال یہ ہے کہ شخص مذکور کو اپنے پوتے وپوتی کے حق میں اپنا حصہ ہبہ کردینے اور حصہ تقسیم ہوکر ان کے قبضہ میں پہنچ جانے کے بعد رجوع کا حق ہے؟

جواب: پوتا پوتی کو اپنا حصہ ہبہ کردینے اور ان کا اس حصہ پر قبضہ کرلینے کے بعد شخص مذکور کو رجوع ولوٹانے کا حق شرعاً نہیں ہے: فلو وهب لذی محرم منه نسباً لا یرجع۔

[الدر المختار: ج۴/ص۵۱۸]

سوال: ایک شخص نے اپنا مکان جو رہائشی تھا، اپنے بھتیجہ کے نام ہبہ کردیا اور امید یہ تھی کہ یہ ضعیف العمری میں خدمت کریں گے، انہیں اولاد نرینہ نہیں تھی بلکہ صرف دو بیٹیاں تھیں جن کی شادی کردی تھی، اب بڑھاپے میں کوئی خدمتگار نہیں، بیٹیاں بھی مکان بھتیجہ کے نام ہبہ کرنے کی وجہ سے خفا رہتی ہیں، اب ارادہ یہ ہو رہا ہے کہ اس ہبہ نامہ کو توڑ دیں اور مکان علی حالہ رہنے دیں تاکہ بعد وفات جو وارثین ہوں گے وہ لے لیں، کیا ایسا کرنا از روئے شرع اسلامی درست ہے؟

جواب: شخص مذکور نے اگر صرف تحریر لکھی تھی یا ہبہ نامہ بنوایا اور مکان پر بھتیجہ کو قبضہ نہیں دیا تھا تو ابھی ہبہ مکمل نہیں ہوا، اس کے ختم کرنے کا اختیار شرعاً حاصل ہے، لڑکیوں کو محروم کرنا برا ہے اور گناہ بھی، اس لیے اس مکان کو تمام وارثین کے لیے چھوڑ دینا بہتر ہے۔

[البحر الرائق: ج۷/ص۲۹۴]

سوال: ایک شخص کے چار لڑکے ہیں، ان میں ایک لڑکا کا انتقال ہوگیا، انھوں نے اپنی ساری زمین تین بیٹوں اور مرحوم بیٹے کی بیوہ کے درمیان برابر تقسیم کردی اور زندگی میں سب کو قابض بنادیا، مرحوم بیٹے کی بیوہ نے عرصہ سے اس زمین سے فائدہ حاصل کیا، اب شخص مذکور کی وفات کے بعد ان کے تینوں لڑکوں کا کہنا ہے کہ تمام زمینیں ہماری ہیں، بیوہ کا اس میں حصہ نہیں ہے، اس کے وارث صرف ہم تین بھائی ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا مرحوم بیٹے کی بیوہ کا کوئی حصہ نہیں بنتا، کیا انہیں زمین واپس کرنی پڑے گی؟

جواب: جو زمین شخص مذکور نے اپنے تینوں بیٹوں اور مرحوم بیٹے کی بیوہ کو ہبہ کر کے تقسیم کردیں اور اپنا قبضہ ہٹا کر ان کا قبضہ کرادیا تو وہ سب کی حسب تقسیم ملک ہوگی، وہ ترکہ نہیں ہے اور بیوہ کو جو کچھ دیا گیا ہے اس سے واپس لینے کا حق شخص مذکور کے وارثین کو نہیں ہے اور بیوہ کو ملی ہوئی زمین پر بدستور مالکانہ حق رہے گا۔ [فتاویٰ ہندیہ: ج۴/ص۳۷۴]

سوال: اگر کوئی شخص کچھ بطور ہدیہ دے تو اس سے یہ پوچھنا کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام، شرعاً کیسا ہے؟

جواب: ہدیہ اگر ایسے شخص کی طرف سے جو حلال کمائی کا اہتمام رکھتا ہے تو بلاوجہ ہدیہ کی ہوئی چیز کے بارے میں تحقیق کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے بسا اوقات ہدیہ کرنے والے کو تکلیف ہوسکتی ہے جس سے بچنا ضروری ہے، ہاں! اگر دی ہوئی چیز کے حلال ہونے میں شبہ ہو تو تحقیق کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی مسلمان بھائی کے یہاں جائے تو وہ ان کے پیش کے ہوئے کھانے میں سے کھالے اور اس کے بارے میں سوال نہ کرے، پینے کی چیز ہو تو پی لے اور سوال نہ کرے، اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ سوال سے کبھی کبھی تکلیف پہنچتی ہے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی بے دینی کا علم نہ ہو: فانه قد یتأذی بالسوال، وذلك اذا لم یعلم فسقه۔

[مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ج۳/ص۴۵۵]

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوة العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.